قرآن
کی چار بُنیادی اِصطلاحیں

مولانا سیّد ابُوالاعلیٰ مودُودیؒ رحمۃ اللہ علیہ

قرآن
کی چار بُنیادی اِصطلاحیں
اِلٰہ ..... رَبّ ..... عبادت ..... دین

مولانا سیّد ابُوالاعلیٰ مودُودی رحمۃ اللہ علیہ

اِسلامک پبلی کیشنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ

فہرستِ مضامین

مقدمہ: 6

اصطلاحاتِ اربعہ کی اہمیت 8

غلط فہمی کا اصل سبب 8

غلط فہمی کے نتائج 10

۱۔ اِلٰہ: 11

لغوی تحقیق 11

اہلِ جاہلیت کا تصورِ الٰہ 13

اُلوہیت کے باب میں ملاکِ امر 18

قرآن کا استدلال 19

۲۔ رَبّ: 29

لغوی تحقیق 29

قرآن میں لفظ ''رَبّ'' کے استعمالات 31

ربوبیت کے باب میں گم راہ قوموں کے تخیلات 34

قومِ نوحؑ 35

قومِ عاد 37

قومِ ثمود 38

قومِ ابراہیمؑ و نمرود 39

قومِ لوطؑ 44

قومِ شعیبؑ 46

	4
فرعون اور آلِ فرعون	48
یہود و نصاریٰ	58
مشرکینِ عرب	62
قرآن کی دعوت	68
۳۔ عبادت:	76
لغوی تحقیق	76
لفظ ''عبادت'' کا استعمال قرآن میں	78
عبادت بمعنی غلامی و اطاعت	78
عبادت بمعنی اطاعت	80
عبادت بمعنی پرستش	81
عبادت بمعنی بندگی و اطاعت و پرستش	84
۴۔ دین:	92
لغوی تحقیق	92
قرآن میں لفظ ''دین'' کا استعمال	94
دین بمعنی اوّل و دوم	95
دین بمعنی سوم	97
دین بمعنی چہارم	100
دین ایک جامع اصطلاح	101

☆.....☆.....☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ ناشر

اُمّتِ مسلمہ کے زوال کے اسباب پر اگر غور کیا جائے تو اس میں سرِ فہرست یہ سبب نظر آئے گا کہ اس نے قرآنی تعلیمات کو فراموش کر دیا، اور اس کی انقلابی دعوت سے نا آشنا ہو گئی۔ آج اگر ہم قرآن مجید کو پڑھتے بھی ہیں تو اس کے معانی و مفہوم سے بے خبر ہو کر محض رسماً۔ یہی وجہ ہے کہ اپنے دکھوں کا علاج اور ترقی کا زینہ دنیا بھر کے افکار و نظریات میں تلاش کرتے ہیں لیکن خود اس نسخۂ شفا سے استفادہ نہیں کرتے یا استفادہ کی اہلیت نہیں رکھتے جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے نازل کیا ہے۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے اس کتاب کو لکھ کر قرآن کی اسی انقلابی دعوت کو واضح کیا ہے۔ جس نے اُونٹوں کی نکیل پکڑنے والوں کو دنیا کا امام بنا دیا تھا اور اس کے ذریعے سے فہمِ قرآن کی راہ کو آسان بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مولاناؒ موصوف کو علومِ قرآنی میں جو گہری بصیرت عطا فرمائی ہے یہ کتاب اس کی پوری طرح آئینہ دار ہے۔

اس کتاب کی معنوی خوبیوں کے پیشِ نظر ہم اس، آفسٹ کی حسین کتابت و طباعت سے مزیّن کر کے پیش کر رہے ہیں۔ امید ہے کہ قارئین اس بلند پایہ کتاب کو اس شکل میں پسند فرمائیں گے۔

منیجنگ ڈائریکٹر

اسلامک پبلی کیشنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مقدمہ

اِلٰہ، رَبّ، دِین اور عبادت، یہ چار لفظ قرآن کی اصطلاحی زبان میں بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔ قرآن کی ساری دعوت یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اکیلا ربّ والٰہ ہے، اس کے سوا نہ کوئی الٰہ ہے نہ رب، اور نہ الوہیت و ربوبیت میں کوئی اس کا شریک ہے، لہٰذا اُسی کو اپنا الٰہ اور ربّ تسلیم کرو اور اس کے سوا ہر ایک کی الٰہیّت و ربوبیت سے انکار کر دو، اس کی عبادت اختیار کرو اور اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، اس کے لیے اپنے دین کو خالص کر لو اور ہر دوسرے دین کو رَد کر دو۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ○ (الانبیا۔۲۵)

''ہم نے تم سے پہلے جو رسول بھی بھیجا ہے اس کی طرف یہی وحی کی ہے، کہ میرے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے لہٰذا میری عبادت کرو۔''

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ○ (التوبہ۔۳۱)

''اور انھیں کوئی حکم نہیں دیا گیا بجز اس کے کہ ایک ہی الٰہ کی عبادت کریں۔ اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے، وہ پاک ہے اس شرک سے جو وہ کرتے ہیں''۔

اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ○ (الانبیا۔۹۲)

''یقیناً تمھارا (یعنی تمام انبیا کا) یہ گروہ ایک ہی گروہ ہے، اور میں تمھارا ربّ ہوں لہٰذا میری عبادت کرو۔''

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ؕ (انعام۔۱۶۴)

''کہو، کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور ربّ تلاش کروں؟ حالانکہ وہی ہر چیز کا ربّ ہے''

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا۔ (الکہف۔۱۱۰)

''تو جو کوئی اپنے ربّ کی ملاقات کا امیدوار ہے اُسے چاہیے کہ نیک عمل کرے

اوراپنے ربّ کی عبادت میں کسی اور کی عبادت شریک نہ کرے۔"

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ

(النحل۔۳۶)

"ہم نے ہر قوم میں ایک رسول اس پیغام کے ساتھ بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت کی عبادت سے پرہیز کرو۔"

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗۤ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ○ (آلِ عمران۔۸۳)

"تو کیا یہ لوگ اللہ کے دین کے سوا کوئی اور دین چاہتے ہیں، حالانکہ جتنی چیزیں آسمانوں اور زمین میں ہیں سب چار و ناچار اُسی کی مطیع ہیں اور اُسی کی طرف انھیں پلٹ کر جانا ہے۔"

قُلْ اِنِّیْۤ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ○ (الزُّمر۔۱۱)

"اے نبیؐ کہو کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کی عبادت کروں، اپنے دین کو اس کے لیے خالص کرتے ہوئے۔"

اِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ط هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ○

(آلِ عمران۔۵۱)

"اللہ ہی میرا ربّ بھی ہے اور تم سب کا بھی۔ لہٰذا اُسی کی عبادت کرو یہی سیدھا راستہ ہے۔"

یہ چند آیات محض نمونہ کے طور پر ہیں۔ ورنہ جو شخص قرآن کو پڑھے گا وہ اوّل نظر میں محسوس کر لے گا کہ قرآن کا سارا بیان انھی چار اصطلاحوں کے گرد گھوم رہا ہے۔ اس کتاب کا مرکزی خیال (Central Idea) یہی ہے کہ:

اللہ ربّ اور الٰہ ہے۔

اور ربوبیت و الٰہیّت اللہ کے سوا کسی کی نہیں ہے۔

لہٰذا عبادت اُسی کی ہونی چاہیے۔

اور دین خالصًا اُسی کے لیے ہونا چاہیے۔

اصطلاحاتِ اربعہ کی اہمیت

اب یہ ظاہر بات ہے کہ قرآن کی تعلیم کو سمجھنے کے لیے ان چاروں اصطلاحوں کا صحیح اور مکمل مفہوم سمجھنا بالکل ناگزیر ہے۔ اگر کوئی شخص نہ جانتا ہو کہ الٰہ اور ربّ کا مطلب کیا ہے؟ عبادت کی کیا تعریف ہے؟ اور دین کسے کہتے ہیں؟ تو دراصل اس کے لیے پورا قرآن بے معنی ہو جائے گا۔ وہ نہ توحید کو جان سکے گا، نہ شرک کو سمجھ سکے گا، نہ عبادت کو اللہ کے لیے مخصوص کر سکے گا، اور نہ دین ہی اللہ کے لیے خالص کر سکے گا۔ اسی طرح اگر کسی کے ذہن میں ان اصطلاحوں کا مفہوم غیر واضح اور نامکمل ہو تو اُس کے لیے قرآن کی پوری تعلیم غیر واضح ہوگی اور قرآن پر ایمان رکھنے کے باوجود اس کا عقیدہ اور عمل دونوں نامکمل رہ جائیں گے۔ وہ لا الٰہ الّا اللہ کہتا رہے گا اور اس کے باوجود بہت سے اربابٌ من دون اللہ اس کے ربّ بنے رہیں گے۔ وہ پوری نیک نیتی کے ساتھ کہے گا کہ میں اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتا، اور پھر بھی بہت سے معبودوں کی عبادت میں مشغول رہے گا۔ وہ پورے زور کے ساتھ کہے گا کہ مَیں اللہ کے دین میں ہوں، اور اگر کسی دوسرے دین کی طرف اِسے منسوب کیا جائے تو لڑنے پر آمادہ ہو جائے گا۔ مگر اس کے باوجود بہت سے دینوں کا قلادہ اس کی گردن میں پڑا رہے گا۔ اس کی زبان سے کسی غیر اللہ کے لیے ''الٰہ'' اور ''رب'' کے الفاظ تو کبھی نہ نکلیں گے، مگر یہ الفاظ جن معانی کے لیے وضع کیے گئے ہیں ان کے لحاظ سے اس کے بہت سے الٰہ اور ربّ ہوں گے اور اس بے چارے کو خبر تک نہ ہوگی کہ میں نے واقعی اللہ کے سوا دُوسرے ارباب والٰہ بنا رکھے ہیں۔ اس کے سامنے اگر آپ کہہ دیں کہ تو دوسروں کی ''عبادت'' کر رہا ہے اور ''دین'' میں شرک کا مرتکب ہو رہا ہے تو وہ پتھر مارنے اور منہ نوچنے کو دوڑے گا مگر عبادت اور دین کی جو حقیقت ہے اس کے لحاظ سے واقعی وہ دوسروں کا عابد اور دوسروں کے دین مَیں داخل ہوگا اور نہ جانے گا کہ یہ جو کچھ مَیں کر رہا ہوں یہ حقیقت میں دوسروں کی عبادت ہے اور یہ حالت جس میں مبتلا ہوں یہ حقیقت میں غیر اللہ کا دین ہے۔

غلط فہمی کا اصل سبب

عرب میں جب قرآن پیش کیا گیا اس وقت ہر شخص جانتا تھا کہ الٰہ کے کیا معنی ہیں اور ربّ کسے کہتے ہیں، کیوں کہ یہ دونوں لفظ ان کی بول چال میں پہلے سے مستعمل تھے، انھیں معلوم تھا کہ ان الفاظ کا اطلاق کس مفہوم پر ہوتا ہے، اس لیے جب ان سے کہا گیا کہ اللہ ہی اکیلا الٰہ اور ربّ

ہے اور الوہیت و ربوبیت میں کسی کا قطعاً کوئی حصہ نہیں، تو وہ پوری بات کو پا گئے۔ انھیں بلا کسی التباس و اشتباہ کے معلوم ہو گیا کہ دوسروں کے لیے کس چیز کی نفی کی جا رہی ہے اور اللہ کے لیے کس چیز کو خاص کیا جا رہا ہے۔ جنھوں نے مخالفت کی یہ جان کر کہ غیر اللہ کی الوہیت و ربوبیت کے انکار سے کہاں کہاں ضرب پڑتی ہے، اور جو ایمان لائے وہ یہ سمجھ کر ایمان لائے کہ اس عقیدہ کو قبول کر کے ہمیں کیا چھوڑنا اور کیا اختیار کرنا ہوگا۔ اسی طرح عبادت اور دین کے الفاظ بھی ان کی بولی میں پہلے سے رائج تھے۔ انھیں معلوم تھا کہ عبد کسے کہتے ہیں، عبودیت کس حالت کا نام ہے، عبادت سے کون سا رویہ مراد ہے، اور دین کا کیا مفہوم ہے، اس لیے جب ان سے کہا گیا کہ سب کی عبادت چھوڑ کر صرف اللہ کی عبادت کرو، اور ہر دین سے الگ ہو کر اللہ کے دین میں داخل ہو جاؤ، تو انھیں قرآن کی دعوت سمجھنے میں کوئی غلط فہمی پیش نہ آئی۔ وہ سنتے ہی سمجھ گئے کہ یہ تعلیم ہماری زندگی کے نظام میں کس نوعیت کے تغیر کی طالب ہے۔

لیکن بعد کی صدیوں میں رفتہ رفتہ ان سب الفاظ کے وہ اصل معنی جو نزولِ قرآن کے وقت سمجھے جاتے تھے، بدلتے چلے گئے یہاں تک کہ ہر ایک اپنی پوری وسعتوں سے ہٹ کر نہایت محدود بلکہ مبہم مفہومات کے لیے خاص ہو گیا۔ اس کی ایک وجہ تو خالص عربیت کے ذوق کی کمی تھی، اور دوسری وجہ یہ تھی کہ اسلام کی سوسائٹی میں جو لوگ پیدا ہوئے تھے ان کے لیے الٰہ، ربّ، دین اور عبادت کے وہ معانی باقی نہ رہے تھے جو نزولِ قرآن کے وقت غیر مسلم سوسائٹی میں رائج تھے۔ انھی دونوں وجوہ سے دورِ اخیر کی کتب لغت و تفسیر میں بکثرت قرآنی الفاظ کی تشریح اصل معانی لغوی کے بجائے ان معانی سے کی جانے لگی جو بعد کے مسلمان سمجھتے تھے۔ مثلاً:

لفظ الٰہ کو قریب قریب بتوں اور دیوتاؤں کا ہم معنی بنا دیا گیا، ربّ کو پالنے اور پوسنے والے یا پروردگار کا مترادف ٹھہرایا گیا، عبادت کے معنی پوجا اور پرستش کے کیے گئے،

دین کو دھرم اور مذہب (Religion) کے مقابلہ کا لفظ قرار دیا گیا۔

طاغوت کا ترجمہ بت یا شیطان کیا جائے گا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن کا اصل مدعا ہی سمجھنا لوگوں کے لیے مشکل ہو گیا۔ قرآن کہتا ہے کہ اللہ کے سوا کسی کو الٰہ نہ بناؤ، لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم نے بتوں اور دیوتاؤں کو چھوڑ دیا ہے لہٰذا قرآن کا منشا پورا کر دیا، حالانکہ الٰہ کا مفہوم اور جن جن چیزوں پر عائد ہوتا ہے ان سب کو وہ اچھی طرح پکڑے

ہوئے ہیں اور انھیں خبر نہیں کہ ہم غیر اللہ کو الٰہ بنا رہے ہیں۔ قرآن کہتا ہے کہ اللہ کے سوا کسی کو ربّ تسلیم نہ کرو۔ لوگ کہتے ہیں کہ بے شک ہم اللہ کے سوا کسی کو پروردگار نہیں مانتے لہٰذا ہماری توحید مکمل ہو گئی، حالانکہ ربّ کا اطلاق اور جن مفہومات پر ہوتا ہے ان کے لحاظ سے اکثر لوگوں نے خدا کی بجائے دوسروں کی ربوبیت تسلیم کر رکھی ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ طاغوت کی عبادت چھوڑ دو اور صرف اللہ کی عبادت کرو۔ لوگ کہتے ہیں کہ ہم بتوں کو نہیں پوجتے، شیطان پر لعنت بھیجتے ہیں، اور صرف اللہ کو سجدہ کرتے ہیں، لہٰذا ہم نے قرآن کی یہ بات بھی پوری کر دی، حالانکہ پتھر کے بتوں کے سوا دوسرے طاغوتوں سے وہ چمٹے ہوئے ہیں اور پرستش کے سوا دوسری قسم کی تمام عبادتیں انھوں نے اللہ کی بجائے غیر اللہ کے لیے خاص کر رکھی ہیں۔ یہی حال دین کا ہے کہ اللہ کے دین کو خالص کرنے کا مطلب صرف یہ سمجھا جاتا ہے کہ آدمی ''مذہب اسلام'' قبول کر لے اور ہندو یا عیسائی یا یہودی نہ رہے۔ اس بنا پر ہر وہ شخص جو ''مذہبِ اسلام'' میں ہے یہ سمجھ رہا ہے کہ میں نے اللہ کے دین کو خالص کر رکھا ہے، حالانکہ دین کے وسیع تر مفہوم کے لحاظ سے اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جن کا دین اللہ کے لیے خالص نہیں ہے۔

غلط فہمی کے نتائج

بس یہ حقیقت ہے کہ محض ان چار بنیادی اصطلاحوں کے مفہوم پر پردہ پڑ جانے کی بدولت قرآن کی تین چوتھائی سے زیادہ تعلیم، بلکہ اس کی روح نگاہوں سے مستور ہو گئی ہے، اور اسلام قبول کرنے کے باوجود لوگوں کے عقائد و اعمال میں جو نقائص نظر آ رہے ہیں ان کا ایک بڑا سبب یہی ہے۔ لہٰذا قرآن مجید کی مرکزی تعلیم اور اس کے حقیقی مدعا کو واضح کرنے کے لیے یہ نہایت ضروری ہے کہ ان اصطلاحوں کی پوری پوری تشریح کی جائے۔

اگرچہ مَیں اس سے پہلے اپنے متعدد مضامین میں ان کے مفہوم پر روشنی ڈالنے کی کوشش کر چکا ہوں لیکن جو کچھ اب تک میں نے بیان کیا ہے وہ نہ تو بجائے خود تمام غلط فہمیوں کو صاف کرنے کے لیے کافی ہے، اور نہ اس سے لوگوں کو پوری طرح اطمینان حاصل ہو سکتا ہے۔ اس لیے اس مضمون میں میں کوشش کروں گا کہ ان چار اصطلاحوں کا مکمل مفہوم واضح کر دوں، اور کوئی ایسی بات بیان نہ کروں جس کا ثبوت لغت اور قرآن سے نہ ملتا ہو۔

............☆☆☆............

۱

اِلٰہ

لغوی تحقیق

اس لفظ کا مادہ ا ل ہ ہے۔اس مادہ سے جو الفاظ لغت میں آئے ہیں ان کی تفصیل یہ ہے:

اَلِہَ اذا تحیّر، حیران وسرگشتہ ہوا۔

اَلِھْتُ اِلٰی فُلَانٍ اَیْ سَکَنْتُ اِلَیْہِ۔اس کی پناہ میں جا کر یا اس سے تعلق پیدا کر کے مَیں نے سکون واطمینان حاصل کیا۔

اَلِہَ الرَّجُلُ یَاْلَہُ اِذَا فَزِعَ مِنْ اَمْرٍ نَزَلَ بِہٖ فَاَلَھَہٗ غَیْرُہٗ اَیْ اَجَارَہٗ ۔آدمی کسی مصیبت یا تکلیف کے نزول سے خوف زدہ ہوا اور دوسرے نے اسے پناہ دی۔

اَلِہَ الرَّجُلُ اِلَی الرَّجُلِ اِتَّجَہَ اِلَیْہِ لِشِدَّۃِ شَوْقِہٖ اِلَیْہِ۔آدمی نے دوسرے کی طرف شدّتِ شوق کی وجہ سے توجہ کی۔

اَلِہَ الْفَصِیْلُ اِذَا وَلِہَ بِاُمِّہٖ۔اونٹنی کا بچہ جو اس سے بچھڑ گیا تھا ماں کو پاتے ہی اس سے چمٹ گیا۔

لَاہَ یَلِیْہُ لِیْھًا وَلَاھًا اِذَا احْتَجَبَ۔ پوشیدہ مستور ہوا۔نیز ارتفع یعنی بلند ہوا۔

اَلَّہَ اِلٰھَۃً وَاُلُوْھَۃً وَاُلُوْھِیَّۃً عَبَدَ عبادت کی۔

ان تمام معانی مصدر پر یہ غور کرنے سے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ اَلِہَ یَاْلَہُ اِلٰھَۃً کے معنی عبادت (پرستش) اور الٰہ کے معنی معبود کس مناسبت سے پیدا ہوئے:

۱۔ انسان کے ذہن میں عبادت کے لیے اولین تحریک اپنی حاجت مندی سے پیدا ہوتی ہے۔وہ کسی کی عبادت کا خیال تک نہیں کر سکتا جب تک اسے یہ گمان نہ ہو کہ وہ اس کی حاجتیں پوری کر سکتا ہے، خطرات اور مصائب میں اسے پناہ دے سکتا ہے، اضطراب کی

حالت میں اسے سکون بخش سکتا ہے۔

۲۔ پھر یہ بات کہ آدمی کسی کو حاجت روا سمجھے اس تصور کے ساتھ لازم وملزوم کا تعلق رکھتی ہے کہ وہ اسے اپنے سے بالاتر سمجھے اور نہ صرف مرتبہ کے اعتبار سے اس کی برتری تسلیم کرے، بلکہ طاقت اور زور کے اعتبار سے بھی اس کی بالادستی کا قائل ہو۔

۳۔ پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ سلسلۂ اسباب وعلل کے تحت جن چیزوں سے بالعموم انسان کی ضروریات پوری ہوتی ہیں، اور جن کی حاجت روائی کا سارا عمل انسان کی آنکھوں کے سامنے یا اس کے حدودِ علم کے اندر واقع ہوتا ہے ان کے متعلق پرستش کا کوئی جذبہ اس میں پیدا نہیں ہوتا مثلاً مجھے خرچ کے لیے روپے کی ضرورت ہوتی ہے، میں جا کر ایک شخص سے نوکری یا مزدوری کی درخواست کرتا ہوں، وہ میری درخواست کو قبول کر کے مجھے کوئی کام دیتا ہے اور اس کام کا معاوضہ مجھے دے دیتا ہے۔ یہ سارا عمل چونکہ میرے حواس اور علم کے دائرے کے اندر پیش آیا ہے اور مَیں جانتا ہوں کہ اس نے میری یہ حاجت کس طرح پوری کی ہے، اس لیے میرے ذہن میں اس کے لائق پرستش ہونے کا وہم تک نہیں گزرتا، پرستش کا تصور میرے ذہن میں صرف اسی حالت میں پیدا ہو سکتا ہے جب کہ کسی کی شخصیت یا اُس کی طاقت یا اس کی حاجت روائی واثر اندازی کی کیفیت پر راز کا پردہ پڑا ہوا ہو۔ اسی لیے معبود کے معنی میں وہ لفظ اختیار کیا گیا جس کے اندر رفعت کے ساتھ پوشیدگی اور حیرانی وسرگشتگی کا مفہوم بھی شامل ہے۔

۴۔ پھر جس کے متعلق بھی انسان یہ گمان رکھتا ہو کہ وہ احتیاج کی حالت میں حاجت روائی کر سکتا ہے، خطرات میں پناہ دے سکتا ہے، اضطراب میں سکون بخش سکتا ہے، اس کی طرف انسان کا اشتیاق کے ساتھ توجہ کرنا ایک امر ناگزیر ہے۔

پس معلوم ہوا کہ معبود کے لیے الٰہ کا لفظ جن تصورات کی بنا پر بولا گیا وہ یہ ہیں۔ حاجت روائی، پناہ دہندگی، سکون بخشی، بالاتری وبالادستی۔ ان اختیارات اور ان طاقتوں کا مالک ہونا جن کی وجہ سے یہ توقع کی جائے کہ معبود قاضی الحاجات اور پناہ دہندہ ہو سکتا ہے۔ اس کی شخصیت کا بُر اسرار ہونا یا منظر عام پر نہ ہونا۔ انسان کا اس کی طرف مشتاق ہونا۔

اہلِ جاہلیت کا تصورِ الٰہ

اس لغوی تحقیق کے بعد ہمیں دیکھنا چاہیے کہ اُلوہیّت کے متعلق اہلِ عرب اور اُممِ قدیمہ کے وہ کیا تصورات تھے جن کی تردید قرآن کرنا چاہتا ہے۔

(۱) وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ۝ (مریم۔۸۱)

''اور انھوں نے اللہ کے سوا دوسرے الٰہ بنا رکھے ہیں تا کہ وہ ان کے لیے ذریعہ قوت ہوں (یا ان کی حمایت میں آ کر وہ محفوظ رہیں)''

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝ (یٰسٓ۔۷۴)

''اور انھوں نے اللہ کے سوا دوسرے الٰہ بنا لیے ہیں اس امید پر کہ ان کی مدد کی جائے گی (یعنی وہ الٰہ اُن کی مدد کریں گے)''

ان دونوں آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ جاہلیت جنھیں الٰہ کہتے تھے ان کے متعلق وہ یہ سمجھتے تھے کہ وہ ان کے پشتی بان ہیں، مشکلات اور مصائب میں ان کی حفاظت کرتے ہیں اور ان کی حمایت میں وہ خوف اور نقصان سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔

(۲) فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ط وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ۝ (ہود ۱۱:۱۰۱)

''جب تیرے ربّ کے فیصلہ کا وقت آ گیا تو ان کے وہ الٰہ جنھیں وہ اللہ کے بجائے پکارا کرتے تھے، ان کے کچھ بھی کام نہ آ سکے اور وہ ان کے لیے تباہی و ہلاکت کے سوا کسی اور چیز میں اضافہ کا سبب نہ بنے۔''

وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ۝ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ۝ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ (النحل:۲۰۔۲۲)

''اور اللہ کی بجائے جنھیں یہ لوگ پکارتے ہیں وہ کسی چیز کے بھی خالق نہیں ہیں بلکہ وہ خود مخلوق ہیں، مردہ ہیں نہ کہ زندہ، اور انھیں یہ بھی خبر نہیں ہے کہ انھیں کب دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔ تمھارا الٰہ تو ایک ہی الٰہ ہے۔''

لَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۘ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ قف (القصص:۸۸)

''اللہ کے ساتھ کسی دوسرے الٰہ کو نہ پکارو اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں[1]۔''

وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَآءَ ط اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ۝ (یونس:۶۶)

''جو لوگ اللہ کی بجائے دوسرے شریکوں کو پکارتے ہیں وہ محض وہم پر چلتے ہیں اور نری اٹکلیں دوڑاتے ہیں۔''

ان آیات سے چند امور پر روشنی پڑتی ہے۔ ایک یہ کہ اہلِ جاہلیت جنھیں الٰہ کہتے تھے، انھیں مشکل کشائی و حاجت روائی کے لیے پکارتے یا بالفاظِ دیگر ان سے دُعا مانگتے تھے۔ دوسرے یہ کہ ان کے یہ الٰہ صرف جن یا فرشتے یا دیوتا ہی نہ تھے بلکہ وفات یافتہ انسان بھی تھے، جیسا کہ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ تیسرے یہ کہ ان الٰہوں کے متعلق وہ یہ گمان رکھتے تھے کہ وہ ان کی دعاؤں کو سنتے ہیں اور ان کی مدد کو پہنچنے پر قادر ہیں۔

یہاں دعا کے مفہوم اور اس امداد کی نوعیت کو ذہن نشین کر لینا ضروری ہے جس کی الٰہ سے توقع کی جاتی ہے۔ اگر مجھے پیاس لگتی ہے اور میں اپنے خادم کو پانی لانے کے لیے پکارتا ہوں، یا اگر مَیں بیمار ہوتا ہوں اور علاج کے لیے ڈاکٹر بلاتا ہوں، تو اس پر نہ دعا کا اطلاق ہوتا ہے اور نہ اس کے معنی خادم یا ڈاکٹر کو الٰہ بنانے کے ہیں۔ کیوں کہ یہ سب کچھ سلسلۂ اسباب کے تحت ہے نہ کہ اس سے مافوق۔ لیکن اگر مَیں پیاس کی حالت میں یا بیماری میں خادم یا ڈاکٹر کو پکارنے کی بجائے ولی یا کسی دیوتا کو پکارتا ہوں تو یہ ضرور اسے الٰہ بنانا ہے اور اس سے دعا مانگنا ہے، کیوں کہ جو ولی صاحب مجھ سے سیکڑوں میل دور کسی قبر میں آرام فرما رہے ہیں، انھیں پکارنے کے معنی یہ ہیں کہ میں انھیں سمیع و بصیر سمجھتا ہوں اور یہ خیال رکھتا ہوں کہ عالمِ اسباب پر ان کی فرماں روائی قائم ہے جس کی وجہ سے وہ مجھ تک پانی پہنچانے یا میری بیماری کو دُور کر دینے کا انتظام کر سکتے ہیں علیٰ ہٰذا القیاس ایسی حالت میں کسی دیوتا کو پکارنے کے معنی یہ ہیں کہ پانی یا صحت یا مرض پر اس کی حکومت

---

[1] یہاں یہ امر پیشِ نظر رہے کہ قرآن میں لفظِ الٰہ دونوں معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔ ایک وہ معبود جس کی فی الواقع عبادت کی جا رہی ہو قطع نظر اس کے کہ حق ہو یا باطل۔ دوسرے وہ معبود جو درحقیقت عبادت کا مستحق ہو۔ اس آیت میں الٰہ کا لفظ دو جگہ انھی دو الگ الگ معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

ہے اور وہ فوق الطبعی طور پر میری حاجت پوری کرنے کے لیے اسباب کو حرکت دے سکتا ہے۔ پس الٰہ کا وہ تصور جس کی بنا پر دعا مانگی جاتی ہے، لامحالہ ایک فوق الطبعی اقتدار (Supernatural Authority) اور اس کے ساتھ ہی فوق الطبعی قوتوں کے مالک ہونے کا تصور ہے۔

(۳) وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَاحَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ○ فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً ط بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ ج وَذٰلِكَ اِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ○ (احقاف، ۲۷۔۲۸)

''تمھارے اردگرد جن بستیوں کے آثار ہیں انھیں ہم ہلاک کر چکے ہیں۔ انھیں ہم نے بار بار بدل کر اپنی نشانیاں دکھائی تھیں تاکہ وہ رجوع کریں تو جنھیں انھوں نے تقرّب کا ذریعہ سمجھ کر اللہ کے سوا اپنا الٰہ بنایا تھا۔ انھوں نے نزولِ عذاب کے وقت کیوں نہ ان کی مدد کی؟ مدد تو درکنار وہ تو انھیں چھوڑ کر غائب ہوگئے۔ یہ تھی حقیقت ان کے جھوٹ اور ان کی من گھڑت باتوں کی۔''

وَمَالِيَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِيْ فَطَرَنِيْ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ○ ءَاَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً اِنْ يُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا وَّلَا يُنْقِذُوْنِ○

(یٰسٓ: ۲۲۔۲۳)

''کیوں نہ میں اس کی عبادت کروں جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور جن کی طرف تم سب کو پلٹنا ہے؟ کیا اس کے سوا میں انھیں الٰہ بناؤں جن کا حال یہ ہے کہ اگر رحمٰن مجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو ان کی سفارش میرے کچھ کام نہیں آسکتی اور وہ مجھے چھڑا نہیں سکتے۔''

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ مَانَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ط (الزمر ۳۹:۳)

''اور جن لوگوں نے اللہ کے سوا دوسرے حامی و کارساز بنا رکھے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تو ان کی عبادت اس لیے کرتے ہیں کہ ہمیں وہ اللہ سے قریب کر دیں، اللہ ان کے درمیان اس معاملہ کا فیصلہ (قیامت کے روز) کرے گا جس

میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔''

وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللّٰهِ مَالَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هَٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِندَ اللّٰهِ ط (یونس:۱۸)

''وہ اللہ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہیں جو نہ انھیں ضرر پہنچانے پر قادر ہیں نہ نفع، اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔''

ان آیات سے چند مزید باتوں پر روشنی پڑتی ہے۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ جاہلیت اپنے الٰہوں سے متعلق یہ نہیں سمجھتے تھے کہ ساری خدائی انھی کے درمیان تقسیم ہوگئی ہے اور ان کے اوپر کوئی خداوندِ اعلیٰ نہیں ہے۔ وہ واضح طور پر ایک خداوندِ اعلیٰ کا تصور رکھتے تھے جس کے لیے ان کی زبان میں اللہ کا لفظ تھا، اور دوسرے الٰہوں کے متعلق ان کا اصل عقیدہ یہ تھا کہ اس خداوندِ اعلیٰ کی خدائی میں ان الٰہوں کا کچھ دخل اور اثر ہے، ان کی بات مانی جاتی ہے، ان کے ذریعہ سے ہمارے کام بن سکتے ہیں، ان کی سفارش سے ہم نفع حاصل کر سکتے ہیں اور نقصانات سے بچ سکتے ہیں۔ انھی خیالات کی بنا پر وہ اللہ کے ساتھ انھیں بھی الٰہ قرار دیتے تھے۔ لہٰذا ان کی اصطلاح کے مطابق کسی کو خدا کے ہاں سفارشی قرار دے کر اس سے مدد کی التجا کرنا اور اس کے آگے مراسمِ تعظیم و تکریم بجالانا اور نذر و نیاز پیش کرنا اسے الٰہ بنانا ہے۔[1]

(۴) وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوا إِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۖ إِنَّمَا هُوَ إِلٰهٌ وَاحِدٌ ۖ فَإِيَّايَ فَارْهَبُونِ ○ (النحل:۵۱)

''اللہ فرماتا ہے کہ دو الٰہ نہ بناؤ، الٰہ تو ایک ہی ہے۔ لہٰذا تم مجھی سے ڈرو۔''

وَلَا أَخَافُ مَا تُشْرِكُونَ بِهِ إِلَّا أَن يَشَاءَ رَبِّي شَيْئًا ط (انعام:۸۰)

''اور ابراہیمؑ نے کہا کہ میں ان سے ہرگز نہیں ڈرتا جنھیں تم خدا کا شریک ٹھہراتے ہو۔ الّا یہ کہ میرا ربّ ہی کچھ چاہے تو وہ البتہ ہوسکتا ہے۔''

---

[1] یہاں یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ سفارشیں دو قسم کی ہیں۔ ایک وہ جو کسی نہ کسی نوع کے زور و اثر پر مبنی ہو اور بہر حال منوا کر ہی چھوڑی جائے۔ دوسری وہ جو محض ایک التجا اور درخواست کی حیثیت میں ہو اور جس کے پیچھے کوئی منوا لینے کا زور نہ ہو پہلے مفہوم کے لحاظ سے کسی کو شفیع یا سفارشی سمجھنا اسے الٰہ بنانا اور خدائی میں اللہ کا شریک ٹھہرانا ہے اور قرآن اسی شفاعت کی تردید کرتا ہے۔ رہا دوسرا مفہوم، تو اس لحاظ سے انبیا، ملائکہ، صلحا، اہلِ ایمان اور سب بندے دوسرے بندوں کے حق میں شفاعت کر سکتے ہیں اور خدا کو مکمل اختیار حاصل ہے کہ کسی کی شفاعت قبول کرے یا نہ کرے۔ قرآن اس شفاعت کا اثبات کرتا ہے۔

اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ط (ہود:۵۴)

''ہود (علیہ السلام) کی قوم کے لوگوں نے اس سے کہا کہ ہم تو کہتے ہیں کہ تجھ پر ہمارے الٰہوں میں سے کسی کی مار پڑی ہے۔''

ان آیات سے معلوم ہوا کہ اہلِ جاہلیت اپنے الٰہوں سے یہ خوف رکھتے تھے کہ اگر ہم نے انھیں کسی طرح ناراض کر دیا، یا ان کی توجہات وعنایات سے محروم ہو گئے تو ہم پر بیماری، قحط، نقصانِ جان و مال اور دوسری قسم کی آفات نازل ہو جائیں گی۔

(۵) اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔ (التوبہ:۳۱)

''انھوں نے اپنے علما اور راہبوں کو اللہ کے سوا اپنا ربّ بنا لیا، اور مسیح ابن مریمؑ کو بھی ربّ ٹھہرایا، حالانکہ انھیں صرف ایک الٰہ کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا، جس کے سوا کوئی اور الٰہ نہیں ہے۔''

اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ط اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا۔ (الفرقان۔۴۳)

''تیرا کیا خیال ہے اس شخص کے متعلق جس نے اپنی خواہشِ نفس کو الٰہ بنا لیا ہے؟ کیا تو اس کی ذمہ داری لے سکتا ہے؟''

وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ۔

(انعام:۱۳۷)

''اس طرح بہت سے مشرکوں کے لیے ان کے ٹھہرائے ہوئے شریکوں (یعنی شرکا فی الالوہیت) نے اپنی اولاد کو قتل کرنے کا فعل خوش نما بنا دیا ہے۔''

اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْ بِهِ اللّٰهُ ط

(الشوریٰ:۲۱)

''کیا وہ ایسے شرکا (یعنی شرکا فی الالوہیت) رکھتے ہیں جنھوں نے ان کے لیے از قسمِ دین ایسی شریعت مقرر کی ہے جس کی اجازت اللہ نے نہیں دی۔''

ان آیات میں الٰہ کا ایک اور مفہوم ملتا ہے جو پہلے مفہومات سے بالکل مختلف ہے۔ یہاں فوق الطبعی اقتدار کا کوئی تصور نہیں ہے جسے الٰہ بنایا گیا ہے وہ یا تو کوئی انسان ہے یا انسان کا اپنا نفس

ہے۔اورالٰہ اسے اس معنی میں نہیں بنایا گیا ہے کہ اس سے دعا مانگی جاتی ہو یا اسے نفع ونقصان کا مالک سمجھا جاتا ہو، اوراس سے پناہ ڈھونڈی جاتی ہو۔ بلکہ وہ الٰہ اس معنی میں بنایا گیا ہے کہ اس کے حکم کو قانون تسلیم کیا گیا، اس کے امر ونہی کی اطاعت کی گئی، اس کے حلال کو حلال اوراس کے حرام کو حرام مان لیا گیا، اور یہ خیال کرلیا گیا ہے کہ اسے بجائے خود حکم دینے اور منع کرنے کا اختیار حاصل ہے، کوئی اوراقتدار اس سے بالاتر نہیں ہے جس کی سند لینے اور جس سے رجوع کرنے کی ضرورت ہو۔

پہلی آیت میں علما اور راہبوں کو الٰہ بنانے کا ذکر ہے۔اس کی واضح تشریح ہمیں حدیث میں ملتی ہے۔حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے جب اس آیت کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ جس چیز کو تمھارے علما اور راہبوں نے حلال کیا اسے تم لوگ حلال مان لیتے تھے، اور جسے حرام قرار دیا اسے تم حرام تسلیم کر لیتے تھے اوراس بات کی کچھ پروانہ کرتے تھے کہ اللہ کا اس بارے میں کیا حکم ہے۔

رہی دوسری آیت تو اس کا مطلب بالکل واضح ہے کہ جو شخص اپنی خواہشِ نفس کی اطاعت کرتا ہو اوراسی کے حکم کو بالاتر رکھتا ہو، وہ دراصل اپنے نفس ہی کو اپنا الٰہ بنائے ہوئے ہے۔

اس کے بعد والی دونوں آیتوں میں اگرچہ الٰہ کی بجائے شریک کا لفظ آیا ہے، مگر جیسا کہ ہم نے ترجمہ میں واضح کیا ہے، شریک سے مراد الٰہیّت میں شریک ٹھہرانا ہے۔اور یہ دونوں آیتیں صاف فیصلہ کرتی ہیں کہ جو لوگ اللہ کے حکم کی سند کے بغیر کسی کے مقرر کیے ہوئے رواج یا ضابطہ یا طریقہ کو جائز قانون سمجھتے ہیں وہ اس قانون ساز کو الٰہیّت میں خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں۔

اُلوہیّت کے باب میں ملاک اَمر

الٰہ کے یہ جتنے مفہومات اوپر بیان ہوئے ہیں ان سب کے درمیان ایک منطقی ربط ہے۔جو شخص فوق الطبعی معنی میں کسی کو اپنا حامی ومددگار، مشکل کشا اور حاجت روا، دعاؤں کا سننے والا اور نفع یا نقصان پہنچانے والا سمجھتا ہے۔اس کے ایسا سمجھنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے نزدیک وہ ہستی نظامِ کائنات میں کسی نہ کسی نوعیت کا اقتدار رکھتی ہے۔اس طرح جو شخص کسی سے تقویٰ اور خوف کرتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ اس کی ناراضی میرے لیے نقصان کی اور رضامندی میرے لیے فائدے کا موجب ہے اس کے اس اعتقاد اوراس عمل کی وجہ بھی اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ اپنے ذہن میں اس

ہستی کے متعلق ایک طرح کے اقتدار کا تصور رکھتا ہے۔ پھر جو شخص خداوندِ اعلیٰ کے ماننے کے باوجود اس کے سوا دوسروں کی طرف اپنی حاجات کے لیے رجوع کرتا ہے اس کے اس فعل کی علت بھی صرف یہی ہے کہ خداوندی کے اقتدار میں وہ انھیں کسی نہ کسی طرح کا حصہ دار سمجھ رہا ہے۔ اور علیٰ ہذا القیاس وہ شخص جو کسی کے حکم کو قانون اور کسی کے امر و نہی کو اپنے لیے واجب الاطاعت قرار دیتا ہے وہ بھی اسے مقتدر اعلیٰ تسلیم کرتا ہے۔ پس الوہیّت کی اصل رُوح اقتدار ہے، خواہ وہ اقتدار اس معنی میں سمجھا جائے کہ نظامِ کائنات پر اس کی فرماں روائی فوق الطبعی نوعیت کی ہے، یا وہ اس معنی میں تسلیم کیا جائے کہ دنیوی زندگی میں انسان اس کے تحتِ امر ہے اور اس کا حکم بذاتِ خود واجب الاطاعت ہے۔

قرآن کا استدلال

یہی اقتدار کا تصور ہے جس کی بنیاد پر قرآن اپنا سارا زور غیر اللہ کی الٰہیّت کے انکار اور صرف اللہ کی الٰہیّت کے اثبات پر صرف کرتا ہے۔ اس کا استدلال یہ ہے کہ زمین اور آسمان میں ایک ہی ہستی تمام اختیارات واقتدارات کی مالک ہے۔ خلق اسی کی ہے، نعمت اسی کی ہے، امر اسی کا ہے، قوت اور زور بالکل اسی کے ہاتھ میں ہے۔ ہر چیز چار و ناچار اسی کی اطاعت کر رہی ہے، اس کے سوا نہ کسی کے پاس کوئی اقتدار ہے، نہ کسی کا حکم چلتا ہے، نہ کوئی خلق اور تدبیر اور انتظام کے رازوں سے واقف ہے اور نہ کوئی اختیاراتِ حکومت میں ذرّہ برابر شریک وحصہ دار ہے۔ لہٰذا اس کے سوا حقیقت میں کوئی الٰہ نہیں ہے، اور جب حقیقت میں کوئی دوسرا الٰہ نہیں ہے تو تمھارا ہر وہ فعل جو تم دوسروں کو الٰہ سمجھتے ہوئے کرتے ہو، اصلاً غلط ہے، خواہ وہ دعا مانگنے یا پناہ ڈھونڈنے کا فعل ہو، یا سفارشی بنانے کا فعل ہو، یا حکم ماننے اور اطاعت کرنے کا فعل ہو۔ یہ تمام تعلقات جو تم نے دوسروں سے قائم کر رکھے ہیں صرف اللہ کے لیے مخصوص ہونے چاہئیں، کیوں کہ وہی اکیلا صاحبِ اقتدار ہے۔

اس باب میں قرآن جس طریقہ سے استدلال کرتا ہے وہ اسی کی زبان سے سنیے۔

وَهُوَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِی الْاَرْضِ اِلٰهٌ ؕ وَهُوَ الْحَكِیْمُ الْعَلِیْمُ ۝

(الزخرف:۸۴)

”وہی ہے جو آسمان میں بھی الٰہ ہے اور زمین میں بھی الٰہ ہے، اور وہی حکیم اور

علیم ہے) یعنی آسمان وزمین میں حکومت کرنے کے لیے جس علم اور حکمت کی ضرورت ہے وہ اسی کے پاس ہے)

اَفَمَنْ یَّخْلُقُ کَمَنْ لَّا یَخْلُقُ ط اَفَلَا تَذَکَّرُوْنَ o وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ لَا یَخْلُقُوْنَ شَیْئًا وَّھُمْ یُخْلَقُوْنَ o اِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ ج

(النحل:۱۷۔۲۰۔۲۲)

''تو کیا وہ جو پیدا کرتا ہے اور جو پیدا نہیں کرتا، دونوں یکساں ہو سکتے ہیں؟ کیا تمھاری سمجھ میں اتنی بات نہیں آتی ؟...... خدا کو چھوڑ کر یہ جن دوسروں کو پکارتے ہیں وہ تو کسی چیز کو بھی پیدا نہیں کرتے، بلکہ خود پیدا کیے جاتے ہیں......تمھارا الٰہ تو ایک ہی الٰہ ہے۔''

یٰۤاَیُّھَاالنَّاسُ اذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ ط ھَلْ مِنْ خَالِقٍ غَیْرُ اللّٰہِ یَرْزُقُکُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ط لَآاِلٰہَ اِلَّا ھُوَفَاَنّٰی تُؤْفَکُوْنَ o (فاطر۔۳)

''لوگو! تم پر اللہ کا جو احسان ہے اس کا دھیان کرو۔ کیا اللہ کے سوا کوئی دوسرا خالق ہے جو تمھیں آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہو؟ اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے۔ پھر تم کدھر بھٹکائے جا رہے ہو؟''

قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ اَخَذَاللّٰہُ سَمْعَکُمْ وَاَبْصَارَکُمْ وَخَتَمَ عَلٰی قُلُوْبِکُمْ مَّنْ اِلٰہٌ غَیْرُ اللّٰہِ یَاْتِیْکُمْ بِہٖ ط (الانعام۔۴۶)

''کہو تم نے کبھی سوچا کہ اللہ تمھاری سننے اور دیکھنے کی قوتیں سلب کر لے اور تمھارے دلوں پر مہر کر دے (یعنی عقل چھین لے) تو اللہ کے سوا کون سا الٰہ ہے جو یہ چیزیں تمھیں لا دے گا؟''

وَھُوَاللّٰہُ لَآاِلٰہَ اِلَّا ھُوَلَہُ الْحَمْدُ فِی الْاُوْلٰی وَالْاٰخِرَۃِ وَلَہُ الْحُکْمُ وَاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ o قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰہُ عَلَیْکُمُ الَّیْلَ سَرْمَدًا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ مَنْ اِلٰہٌ غَیْرُ اللّٰہِ یَاْتِیْکُمْ بِضِیَآءٍط اَفَلَاتَسْمَعُوْنَ o قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰہُ عَلَیْکُمُ النَّھَارَ سَرْمَدًا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ مَنْ اِلٰہٌ غَیْرُ اللّٰہِ یَاْتِیْکُمْ بِلَیْلٍ تَسْکُنُوْنَ فِیْہِ ط اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ o (القصص:۷۰۔۷۲)

''اور وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی دوسرا الٰہ نہیں ہے۔ اسی کے لیے تعریف ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اور وہی اکیلا صاحبِ حکم واقتدار ہے اور اسی کی طرف تم پلٹائے جانے والے ہو۔ کہو تم نے کبھی غور کیا کہ اگر اللہ تم پر ہمیشہ کے لیے روزِ قیامت تک رات طاری کر دے تو اس کے سوا کون سا دوسرا الٰہ ہے جو تمھیں روشنی لا دے گا؟ کیا تم سنتے نہیں ہو؟ کہو تم نے کبھی اس پر غور کیا کہ اگر تمھارے اوپر ہمیشہ کے لیے دن طاری کر دے تو اس کے سوا اور کون سا الٰہ ہے جو تمھیں رات لا دے گا کہ اس میں تم سکون حاصل کرو؟ کیا تمھیں نظر نہیں آتا؟''

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ۝ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ۭ (سبا۔۲۲۔۲۳)

''کہو کہ اللہ کے سوا تم نے جن کو کچھ سمجھ رکھا ہے انھیں پکار دیکھو، وہ نہ آسمانوں میں ذرّہ برابر کسی چیز کے مالک ہیں اور نہ زمین میں، نہ آسمان وزمین کے انتظام میں ان کی کوئی شرکت ہے، نہ ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے، اور نہ اللہ کے ہاں کوئی سفارش کام آتی ہے بجز اس کے جس کے حق میں اللہ خود ہی سفارش کی اجازت دے۔''

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَي النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَي الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۭ يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ۝
(الزمر:۵،۶)

''اُس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ وہ رات کو دن پر اور دن کو رات پر چڑھا کر لاتا ہے، اُس نے سورج اور چاند کو تابع کر رکھا ہے اور ہر ایک اپنی مدتِ مقررہ تک چل رہا ہے..... اس نے ایک نفس سے تمھاری

پیدائش کی ابتدا کی (یعنی انسانی زندگی کا آغاز کیا) پھر اسی نفس سے اس کا جوڑا بنایا اور تمھارے لیے مویشیوں کے آٹھ جوڑے اتارے۔ وہ تمھیں تمھاری ماؤں کے پیٹ میں اسی طرح پیدا کرتا ہے کہ تین[1] پردوں کے اندر تمھاری تخلیق کے یکے بعد دیگرے کئی مدارج طے ہوتے ہیں۔ یہی اللہ تمھارا ربّ ہے۔ اقتدارِ حکومت اسی کا ہے۔ اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ پھر تم کدھر سے پھرائے جا رہے ہو؟''

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ط فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ج مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ط ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ط بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ o اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ط ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ط بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ o اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَ يَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ط ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ط قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ o اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ط ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ط تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ o اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ط ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ط قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ o (النمل:۶۰۔۶۴)

''کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور تمھارے لیے آسمان سے پانی برسایا پھر وہ خوش منظر باغ اگائے جن کے درخت اگانا تمھارے بس میں نہ تھا؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور الٰہ ان کاموں میں شریک ہے؟ مگر یہ لوگ حقیقت سے منہ موڑتے ہیں۔ پھر وہ کون ہے جس نے زمین کو جائے قرار بنایا اور اس میں دریا جاری کیے اور اس کے لیے پہاڑوں کو لنگر بنایا اور دو سمندروں کے درمیان پردہ حائل کیا؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور الٰہ ان کاموں میں شریک ہے۔ مگر اکثر مشرکین بے علم ہیں۔ پھر وہ کون ہے جو اضطرار کی حالت میں

---

[1] تین پردوں سے مراد پیٹ، رحم اور مشیمہ ہیں۔

آدمی کی دعا سنتا ہے اور تکلیف دور کرتا ہے؟ اور وہ کون ہے جو تم کو زمین میں خلیفہ بناتا ہے؟ (تصرّف کے اختیارات دیتا ہے) کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور الٰہ ان کاموں میں بھی شریک ہے؟ مگر تم کم ہی دھیان کرتے ہو۔ پھر وہ کون ہے جو تم کو خشکی اور تری کے اندھیاروں میں راستہ دکھاتا ہے اور اپنی رحمت (یعنی بارش) سے پہلے خوش خبری لانے والی ہوائیں بھیجتا ہے؟ کیا اللہ کے سوا کوئی اور الٰہ ان کاموں میں بھی شریک ہے؟ اللہ بالاتر ہے ان کے اس شرک سے جو یہ کرتے ہیں۔ پھر وہ کون ہے جو تخلیق کی ابتدا کرتا اور اس کا اعادہ کرتا ہے؟ اور کون تمھیں آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور الٰہ ان کاموں میں بھی شریک ہے؟ کہو اگر تم اپنے شرک میں سچے ہو تو اس پر دلیل لاؤ[1]۔"

اَلَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا ۝ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً لَّا یَخْلُقُوْنَ شَیْـًٔا وَّهُمْ یُخْلَقُوْنَ وَلَا یَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا یَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَیٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ۝ (الفرقان:۲۔۳)

"وہ جو آسمانوں اور زمین کی حکومت کا مالک ہے اور جس نے کسی کو بیٹا نہیں بنایا اور اقتدارِ حکومت میں جس کا کوئی شریک نہیں ہے اور جس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور ہر چیز کے لیے پورا پورا اندازہ مقرر کیا۔ لوگوں نے اسے چھوڑ کر ایسے الٰہ بنا لیے ہیں جو کسی کو پیدا نہیں کرتے بلکہ خود پیدا کیے جاتے ہیں، جو خود اپنی ذات کے لیے بھی نفع یا نقصان کا اختیار نہیں رکھتے اور جنھیں موت اور زندگی اور دوبارہ پیدائش پر کسی قسم کا اقتدار حاصل نہیں ہے۔"

بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَنّٰی یَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ؕ وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا

---

[1] یعنی اگر تم مانتے ہو کہ یہ سب کام اللہ ہی کے ہیں اور ان کاموں میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے تو آخر کس دلیل سے تم الٰہیت میں اس کے ساتھ دوسروں کو شریک بناتے ہو؟ جن کے پاس اقتدار نہیں اور زمین و آسمان میں جن کا کوئی خود مختارانہ کام نہیں وہ الٰہ کیسے ہو گئے۔

هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوهُ ۚ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيلٌ ۝

(انعام:۱۰۱ـ۱۰۲)

''آسمان وزمین کو عدم سے وجود میں لانے والا۔ اس کا کوئی بیٹا کیسے ہوسکتا ہے جب کہ اس کی کوئی بیوی نہیں ہے۔ اس نے تو ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور وہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔ یہ ہے اللہ تمھارا ربّ، کوئی اس کے سوا الٰہ نہیں ہے، ہر چیز کا خالق، لہٰذا تم اسی کی عبادت کرو اور وہی ہر چیز کی حفاظت وخبر گیری کا کفیل ہے۔''

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ (البقرہ:۱۶۵)

''بعض لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے سوا دوسروں کو خدائی کا شریک ومماثل قرار دیتے ہیں اور اللہ کی طرح انھیں بھی محبوب رکھتے ہیں، حالانکہ جو ایمان لانے والے ہیں وہ سب سے بڑھ کر اللہ سے محبت کرتے ہیں۔ کاش یہ ظالم اس حقیقت کو جسے نزولِ عذاب کے وقت محسوس کریں گے، آج ہی محسوس کر لیتے کہ قوت ساری کی ساری اللہ ہی کے پاس ہے۔''

قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ؕ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ...... (احقاف:۴ـ۵)

''کہو تم نے اپنے معبودوں کی حالت پر کبھی غور بھی کیا جنھیں تم خدا کی بجائے حاجت روائی کے لیے پکارتے ہو؟ مجھے دکھاؤ تو سہی کہ زمین کا کتنا حصہ ان کا بنایا ہوا ہے، یا آسمان کی پیدائش میں ان کی کس قدر شرکت ہے؟............ اس سے بڑھ کر اور کون گم راہ ہوگا جو اللہ کو چھوڑ کر کسی ایسے کو پکارے جو قیامت تک اسے جواب نہیں دے سکتا[1]۔''

لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا

[1] یعنی اس کی درخواست کے جواب میں کوئی کارروائی نہیں کرسکتا۔

يَصِفُوْنَ○ لَايُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ○ (انبیا:۲۲۔۲۳)

''اگر زمین وآسمان میں اللہ کے سوا اور بھی الٰہ ہوتے تو نظامِ عالم درہم برہم ہو جاتا۔ پس اللہ جو عرش (یعنی کائنات کے تختِ سلطنت) کا مالک ہے اُن تمام باتوں سے پاک ہے جو یہ اس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ وہ اپنے کسی فعل کے لیے جواب دہ نہیں ہے اور سب جواب دہ ہیں۔''

مَااتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍ م بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ط (المومنون:۹۱)

''اللہ نے نہ کوئی بیٹا بنایا اور نہ اُس کے ساتھ کوئی دوسرا الٰہ ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہر الٰہ اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں کو لے کر الگ ہو جاتا اور ہر ایک دوسرے پر چڑھ دوڑتا۔''

قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗٓ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِى الْعَرْشِ سَبِيْلًا○ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا○ (بنی اسرائیل:۴۲۔۴۳)

''اے نبیؐ! کہو اگر اللہ کے ساتھ دوسرے الٰہ ہوتے جیسا کہ لوگوں کا بیان ہے، تو وہ مالکِ عرش کی حکومت پر قبضہ کرنے کے لیے ضرور تدبیریں تلاش کرتے۔ پاک ہے وہ اور بہت بالاتر ہے اُن باتوں سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔''

ان آیات میں اوّل سے آخر تک ایک ہی مرکزی خیال پایا جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ الٰہیّت واقتدار لازم وملزوم ہیں اور اپنی روح ومعنی کے اعتبار سے دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ جو اقتدار نہیں رکھتا وہ الٰہ نہیں ہوسکتا اور اسے الٰہ نہ ہونا چاہیے۔ کیوں کہ الٰہ سے تمھاری جس قدر ضروریات متعلق ہیں یا جن ضروریات کی خاطر تمھیں کسی کو الٰہ ماننے کی حاجت پیش آتی ہے، ان میں سے کوئی ضرورت بھی اقتدار کے بغیر پوری نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا غیر مقتدر کا الٰہ ہونا بے معنی ہے، حقیقت کے خلاف ہے، اور اس کی طرف رجوع کرنا لاحاصل ہے۔

اس مرکزی خیال کو لے کر قرآن جس طریقہ سے استدلال کرتا ہے اس کے مقدمات اور نتائج حسبِ ذیل ترتیب کے ساتھ اچھی طرح سمجھ میں آسکتے ہیں:

۱۔ حاجت روائی، مشکل کشائی، پناہ دہندگی، امداد واعانت، خبر گیری وحفاظت اور استجابتِ دعوات، جنھیں تم نے معمولی کام سمجھ رکھا ہے، دراصل یہ معمولی کام نہیں ہیں بلکہ ان کا سررشتہ پورے نظامِ کائنات کی تخلیقی اور انتظامی قوتوں سے جاملتا ہے۔ تمھاری ذرا ذرا سی ضرورتیں جس طرح پوری ہوتی ہیں اس پر غور کرو تو معلوم ہو کہ زمین وآسمان کے عظیم الشان کارخانہ میں بے شمار اسباب کی مجموعی حرکت کے بغیر ان کا پورا ہونا محال ہے۔ پانی کا ایک گلاس جو تم پیتے ہو، اور گیہوں کا ایک دانہ جو تم کھاتے ہو، اسے مہیا کرنے کے لیے سورج اور زمین اور ہواؤں اور سمندروں کو خدا جانے کتنا کام کرنا پڑتا ہے تب کہیں یہ چیزیں تمھیں بہم پہنچتی ہیں۔ پس تمھاری دعائیں سننے اور تمھاری حاجتیں رفع کرنے کے لیے کوئی معمولی اقتدار نہیں بلکہ وہ اقتدار درکار ہے جو زمین وآسمان پیدا کرنے کے لیے، سیاروں کو حرکت دینے کے لیے، ہواؤں کو گردش دینے اور بارش برسانے کے لیے، غرض پوری کائنات کا انتظام کرنے کے لیے درکار ہے۔

۲۔ یہ اقتدار نا قابل تقسیم ہے۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ خلق کا اقتدار کسی کے پاس ہو، اور رزق کا کسی اور کے پاس، سورج کسی کے قبضہ میں ہو اور زمین کسی اور کے قبضہ میں، پیدا کرنا کسی کے اختیار میں ہو، بیماری وصحت کسی اور کے اختیار میں اور موت اور زندگی کسی تیسرے کے اختیار میں، اگر ایسا ہوتا تو یہ نظامِ کائنات کبھی چل ہی نہ سکتا۔ لہٰذا تمام اقتدارات واختیارات کا ایک ہی مرکزی فرماں روا کے قبضہ میں ہونا ضروری ہے۔ کائنات کا انتظام چاہتا ہے کہ ایسا ہو، اور فی الحقیقت ایسا ہی ہے۔

۳۔ جب تمام اقتدار ایک ہی فرماں روا کے ہاتھ میں ہے اور اقتدار میں کسی کا ذرّہ برابر کوئی حصہ نہیں ہے، تو لامحالہ الوہیّت بھی بالکلیہ اسی فرماں روا کے لیے خاص ہے اور اس میں بھی کوئی حصہ دار نہیں ہے۔ کسی میں یہ طاقت نہیں کہ تمھاری فریاد رسی کر سکے، دعائیں قبول کر سکے، پناہ دے سکے، حامی وناصر اور ولی وکارساز بن سکے، نفع یا نقصان پہنچا سکے۔ لہٰذا الٰہ کا جو مفہوم بھی تمھارے ذہن میں ہے، اس کے لحاظ سے کوئی دوسرا الٰہ نہیں ہے۔ حتّٰی کہ کوئی اس معنی میں بھی الٰہ نہیں کہ فرماں روائے کائنات کے ہاں مقرّبِ بارگاہ ہونے کی حیثیت ہی سے اس کا کچھ زور چلتا ہو اور اس کی سفارش مانی جاتی ہو۔ اس کے انتظامِ سلطنت میں کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں۔ کوئی اس کے معاملات میں دخل نہیں دے سکتا، اور سفارش قبول کرنا یا نہ کرنا بالکل اسی کے اختیار میں ہے۔ کوئی زور کسی کے پاس نہیں ہے کہ اس کے بل پر وہ اپنی سفارش قبول کرا سکے۔

۴۔ اقتدارِ اعلیٰ کی وحدانیت کا اقتضا یہ ہے کہ حاکمیت وفرماں روائی کی جتنی قسمیں ہیں سب ایک ہی مقتدرِ اعلیٰ کی ذات میں مرکوز ہوں اور حاکمیت کا کوئی جز بھی کسی دوسرے کی طرف منتقل نہ ہو۔ جب خالق وہ ہے اور خلق میں کوئی اس کے ساتھ شریک نہیں، جب رزاق وہ ہے اور رزق رسانی میں کوئی اس کے ساتھ شریک نہیں، جب پورے نظامِ کائنات کا مدبر و منتظم وہ ہے اور تدبیر وانتظام میں کوئی اس کے ساتھ شریک نہیں، تو یقیناً حاکم وآمر اور شارع بھی اسی کو ہونا چاہیے اور اقتدار کی اس شق میں بھی کسی کے شریک ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ جس طرح اس کی سلطنت کے دائرے میں اس کے سوا کسی دوسرے کا فریادرس اور حاجت روا اور پناہ دہندہ ہونا غلط ہے، اسی طرح کسی دوسرے کا مستقل بالذات حاکم اور خودمختار فرماں روا اور آزاد قانون ساز ہونا بھی غلط ہے۔ تخلیق اور رزق رسانی، احیا اور اماتت تسخیرِ شمس وقمر اور تکویرِ لیل ونہار، قضا اور قدر، حکم اور بادشاہی، امر اور تشریع سب ایک ہی کلّی اقتدار وحاکمیت کے مختلف پہلو ہیں اور یہ اقتدار وحاکمیت ناقابل تقسیم ہے۔ اگر کوئی شخص اللہ کے حکم کی سند کے بغیر کسی کے حکم کو واجب الاطاعت سمجھتا ہے تو وہ ویسا ہی شرک کرتا ہے جیسا کہ ایک غیر اللہ سے دعا مانگنے والا شرک کرتا ہے اور اگر کوئی شخص سیاسی معنی میں مالک الملک اور مقتدرِ اعلیٰ اور حاکمِ علی الاطلاق ہونے کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کا یہ دعویٰ بالکل اسی طرح خدائی کا دعویٰ ہے جس طرح فوق الطبعی معنی میں کسی کا یہ کہنا کہ تمھارا ولی وکارساز اور مددگار ومحافظ مَیں ہوں۔ اسی لیے جہاں خلق اور تقدیر اشیا اور تدبیر کائنات میں اللہ کے لاشریک ہونے کا ذکر کیا گیا ہے وہیں لَهُ الْحُكْمُ اور لَهُ الْمُلْكُ اور لَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ بھی کہا گیا ہے جو اس بات پر صاف دلالت کرتا ہے کہ الوہیّت کے مفہوم میں بادشاہی وحکم رانی کا مفہوم بھی شامل ہے اور توحیدِ الٰہ کے لیے لازم ہے کہ اس مفہوم کے اعتبار سے بھی اللہ کے ساتھ کسی کی شرکت نہ تسلیم کی جائے اسے اور زیادہ کھول کر حسبِ ذیل آیات میں بیان کیا گیا ہے:

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ط (آل عمران:۲۶)

”کہو یا اللہ، تو جو ملک کا مالک ہے، تجھے اختیار ہے جسے چاہے حکومت دے اور جس سے چاہے چھین لے اور جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلیل کر دے۔“

ذلیل کردے۔"

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ○
(المومنون:۱۱۶)

"پس بالا و برتر ہے اللہ جو حقیقی بادشاہ ہے اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں وہ عرشِ بزرگ کا مالک ہے۔"

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ○ لا مَلِكِ النَّاسِ ○ لا اِلٰهِ النَّاسِ ○ لا (الناس:۱-۳)

"کہو میں پناہ مانگتا ہوں انسانوں کے ربّ سے، انسانوں کے بادشاہ سے، انسانوں کے الٰہ سے"۔

اور اس سے زیادہ تصریح سورۂ المؤمن میں ہے جہاں فرمایا:

يَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ ۚ لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ؕ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ؕ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ○ (المؤمن:۱۶)

"یعنی جس روز سب لوگ بے نقاب ہوں گے، کسی کا کوئی راز اللہ سے چھپا نہ ہوگا، اس وقت پکارا جائے گا کہ آج بادشاہی کس کی ہے؟ اور جواب اس کے سوا کچھ نہ ہوگا کہ اس اکیلے اللہ کی جس کا اقتدار سب پر غالب ہے۔"

اس آیت کی بہترین تفسیر وہ حدیث ہے جو امام احمدؒ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

اِنَّهُ تَعَالٰى يَطْوِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِيَدِهٖ ثُمَّ يَقُوْلُ اَنَا الْمَلِكُ اَنَا الْجَبَّارُ اَنَا الْمُتَكَبِّرُ اَيْنَ مُلُوْكَ الْاَرْضِ؟ اَيْنَ الْجَبَّارُوْنَ؟ اَيْنَ الْمُتَكَبِّرُوْنَ ○

اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کو اپنی مٹھی میں لے کر پکارے گا میں ہوں بادشاہ، میں ہوں جبّار، میں ہوں متکبر، کہاں ہیں وہ جو زمین میں بادشاہ بنتے تھے؟ کہاں ہیں جبار؟ کہاں ہیں متکبر۔ عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ جس وقت حضورؐ خطبہ میں یہ الفاظ فرما رہے تھے اس وقت آپ پر ایسا لرزہ طاری تھا کہ ہم ڈر رہے تھے کہ کہیں آپ ممبر سے گر نہ پڑیں۔

۲

رَبّ

لغوی تحقیق

اس لفظ کا مادّہ رَبَبَ ہے جس کا ابتدائی واساسی مفہوم پرورش ہے۔ پھر اسی سے تصرُّف، خبر گیری، اصلاحِ حال اور اتمام وتکمیل کا مفہوم پیدا ہوا۔ پھر اسی بنیاد پر فوقیت، سیادت، مالکیت اور آقائی کے مفہومات اس میں پیدا ہو گئے۔ لغت میں اس کے استعمالات کی چند مثالیں یہ ہیں:

۱۔ پرورش کرنا، نشو ونما دینا، بڑھانا، مثلاً ربیب اور ربیبہ پروردہ لڑکے اور لڑکی کو کہتے ہیں۔ نیز اس بچے کو بھی ربیب کہتے ہیں جو سوتیلے باپ کے گھر پرورش پائے۔ پالنے والی دائی کو بھی ربیبہ کہتے ہیں۔ رابہ سوتیلی ماں کو کہتے ہیں، کیوں کہ وہ ماں تو نہیں ہوتی مگر بچے کو پرورش کرتی ہے۔ اسی مناسبت سے رابّ سوتیلے باپ کو کہتے ہیں۔ مربَّب یا مربّی اسی دوا کو کہتے ہیں جو محفوظ کر کے رکھی جائے۔ رَبَّ۔ یُرَبُّ۔ رَبّاً کے معنی اضافہ کرنے بڑھانے اور تکمیل کو پہنچانے کے ہیں۔ جیسے رَبَّ النِّعْمَةَ، یعنی احسان میں اضافہ کیا یا احسان کی حد کر دی۔

۲۔ سمیٹنا، جمع کرنا، فراہم کرنا۔ مثلاً کہیں گے۔ فُلَانٌ یَرُبُّ النَّاسَ یعنی فلاں شخص لوگوں کو جمع کرتا ہے، یا سب لوگ اس شخص پر مجتمع ہوتے ہیں۔ جمع ہونے کی جگہ کو مَرَبّ کہیں گے۔ سمٹنے اور فراہم ہو جانے کو تَرَبُّب کہیں گے۔

۳۔ خبر گیری کرنا، اصلاحِ حال کرنا، دیکھ بھال اور کفالت کرنا، مثلاً رَبَّ ضَیْعَتَہٗ کے معنی ہوں گے فلاں شخص نے اپنی جائداد کی دیکھ بھال اور نگرانی کی۔ ابوسفیان سے صفوان نے کہا تھا لِاَنْ یَرُبَّنِی رَجُلٌ مِنْ قُرَیشٍ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ یَرُبَّنِی رَجُلٌ مِنْ هَوَازِنْ یعنی قریش میں سے کوئی شخص مجھے اپنی ربوبیت (سرپرستی) میں لے لے یہ مجھے زیادہ پسند ہے بہ نسبت اس کے کہ ہوازن کا کوئی آدمی ایسا کرے۔ علقمہ بن عُبیدہ کا شعر ہے: ؎

وَكُنتَ امرأً أَفْضَتْ إِلَيْكَ رَبَابَتِي   وَقَبْلَكَ رَبَّتْنِي فَضِعْتُ رُبُوبِي

یعنی تجھ سے پہلے جو رئیس میرے مربّی تھے انھیں مَیں نے کھو دیا، آخر کار اب میری کفالت و ربابت تیرے ہاتھ آئی ہے۔ فرزدق کہتا ہے:

كَانُوا كَسَائِلَةٍ حَمْقَاءَ إِذْ حَقَنَتْ   سَلَاءَهَا فِي أَدِيمٍ غَيْرِ مَرْبُوبِ

اس شعر میں ادیم غیر مربوب سے مراد وہ چمڑا ہے جو کمایا نہ گیا ہو، جسے دباغت دے کر درست نہ کیا گیا ہو۔ فلان یرب صنعته عند فلان کے معنی ہوں گے فلاں شخص فلاں کے پاس اپنے پیشہ کا کام کرتا ہے یا اس سے کاری گری کی تربیت حاصل کرتا ہے۔

۴۔ فوقیت، بالا دستی، سرداری، حکم چلانا، تصرُّف کرنا۔ مثلاً قد ربّ فلان قومہ۔ یعنی فلاں شخص نے اپنی قوم کو اپنا تابع کرلیا۔ ربیتُ القوم یعنی میں نے قوم پر حکم چلایا اور بالا دست ہو گیا۔ لبید بن ربیعہ کہتا ہے:

وَأَهْلَكْنَ يَوْمًا رَبَّ كِنْدَةَ وَابْنَهُ   وَرَبَّ مَعَدٍّ بَيْنَ خَبْتٍ وَعَرْعَرٍ

یہاں رب کندہ سے مراد کندہ کا سردار ہے جس کا حکم اس قبیلہ میں چلتا تھا۔ اس معنی میں نابغہ ذبیانی کا شعر ہے:

تَخُبُّ إِلَى النُّعْمَانِ حَتَّى تَنَالَهُ   فِدًى لَكَ مِنْ رَّبٍّ تَلِيْدِي وَطَارِفِي

۵۔ مالک ہونا، مثلاً حدیث میں آتا ہے کہ ایک شخص سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا أَرَبُّ غَنَمٍ اَمْ رَبُّ ابل؟ تو بکریوں کا مالک ہے یا اونٹوں کا؟ اس معنی میں گھر کے مالک کو رَبُّ الدَّار اُونٹنی کے مالک کو رَبُّ النَاقہ، جائداد کے مالک کو رب الضیعه کہتے ہیں۔ آقا کے معنی میں بھی رب کا لفظ آتا ہے اور عبد، یعنی غلام کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے۔

غلطی سے رب کے لفظ کو محض پرورد گار کے مفہوم تک محدود کر کے رکھ دیا گیا ہے اور ربوبیت کی تعریف میں یہ فقرہ چل پڑا ہے کہ هُوَاِنْشَاءُ الشَّیٔ حَالًا فَحَالًا اِلٰی حَدِّالتَّمَام (یعنی ایک چیز کو درجہ بدرجہ ترقی دے کر پایۂ کمال کو پہنچانا)۔ حالانکہ یہ اس لفظ کے وسیع معانی میں سے صرف ایک معنی ہے۔ اس کی پوری وسعتوں کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ حسبِ ذیل مفہومات پر حاوی ہے:

۱۔ پرورش کرنے والا، ضروریات بہم پہنچانے والا، تربیت اور نشوونما دینے والا۔

۲۔ کفیل، خبر گیراں، دیکھ بھال اور اصلاح حال کا ذمہ دار۔

۳۔ وہ جو مرکزی حیثیت رکھتا ہو، جس میں متفرق اشخاص مجتمع ہوتے ہوں۔

۴۔ سید مُطاع، سردار ذی اقتدار، جس کا حکم چلے، جس کی فوقیت و بالادستی تسلیم کی جائے، جسے تصرُّف کے اختیارات ہوں۔

۵۔ مالک، آقا۔

قرآن میں لفظ ''رَبّ'' کے استعمالات

قرآن مجید میں یہ لفظ ان سب معانی میں آتا ہے۔ کہیں ان میں سے کوئی ایک یا دو معنی مراد ہیں، کہیں اس سے زائد اور کہیں پانچوں معنی۔ اس بات کو ہم آیاتِ قرآنی سے مختلف مثالیں دے کر واضح کریں گے۔

پہلے معنی میں:

قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّیْٓ اَحْسَنَ مَثْوَایَ ط (یوسف:۲۳)

''اس نے کہا کہ پناہ بخدا! وہ تو میرا رب ہے[1] جس نے مجھے اچھی طرح رکھا۔''

دوسرے معنی میں جس کے ساتھ پہلے معنی کا تصور بھی کم و بیش شامل ہے:

فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّیْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ o لا الَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَهُوَ یَهْدِیْنِ o لا وَالَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ o لا وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ o لا

(الشعرا:۷۷۔۸۰)

''تمھارے یہ معبود تو میرے دشمن ہیں، بجز ربِ کائنات کے جس نے مجھے پیدا کیا ہے، جو میری راہ نمائی کرتا ہے، جو مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو مجھے شفا دیتا ہے۔''

وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَیْهِ تَجْئَرُوْنَ o ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِیْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ یُشْرِكُوْنَ o لا

(النحل:۵۳۔۵۴)

---

[1] کسی کو یہ خیال نہ ہو کہ حضرت یوسف عزیزِ مصر کو اپنا رب فرما رہے ہیں، جیسا کہ بعض مفسرین کو شبہ ہوا ہے، بلکہ دراصل ''وہ'' کا اشارہ خدا کی طرف ہے جس کی پناہ انھوں نے مانگی ہے۔ مَعَاذَاللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّیْ جب مشارٌ الیہ قریب ہی مذکور ہے تو کوئی غیر مذکور مشارٌ الیہ تلاش کرنے کی کیا ضرورت؟

"تمھیں جو نعمت بھی حاصل ہے اللہ ہی سے حاصل ہوئی ہے، پھر جب تم پر کوئی مصیبت آتی ہے تو اُسی کی طرف تم گھبرا کر رجوع کرتے ہو مگر جب وہ تم پر سے مصیبت ٹال دیتا ہے تو کچھ لوگ تم میں ایسے ہیں جو اپنے رب کے ساتھ (اس نعمت کی بخشش اور اس مشکل کشائی میں) دوسروں کو شریک ٹھہرانے لگتے ہیں۔"

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ط (انعام:۱۶۴)

"کہو کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور رب تلاش کروں، حالانکہ ہر چیز کا ربّ وہی ہے۔"

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ○ (المزمل:۹)

"وہ مغرب و مشرق کا رب ہے جس کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے، لہٰذا اُسی کو اپنا وکیل (اپنے سارے معاملات کا کفیل و ذمہ دار) بنالے۔"

تیسرے معنی میں:

هُوَ رَبُّكُمْ ق وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ○ (ہود:۳۴)

"وہ تمھارا رب ہے اور اسی کی طرف تم پلٹا کر لے جائے جاؤ گے۔"

ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ۔ (الزمر:۷)

"پھر تمھارے رب کی طرف تمھاری واپسی ہے۔"

قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا (سبا-۲۶)

"کہو کہ ہم دونوں فریقوں کو ہمارا رب جمع کرے گا۔"

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ط مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ○ (انعام:۳۸)

"زمین میں چلنے والا کوئی جان دار اور ہوا میں اڑنے والا کوئی پرندہ ایسا نہیں ہے جو تمھاری ہی طرح ایک امت نہ ہو، اور ہم نے اپنے دفتر میں کسی کے اندراج سے کوتاہی نہیں کی ہے۔ پھر وہ سب اپنے رب کی طرف سمیٹے جائیں گے۔"

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ ○ (یٰس:۵۱)

"اور جوں ہی کہ صور پھونکا جائے گا وہ سب اپنے ٹھکانوں سے اپنے رب کی

طرف نکل پڑیں گے۔''

چوتھے معنی میں جس کے ساتھ کم وبیش تیسرے معنی کا تصور بھی موجود ہے:

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ (التوبہ:۳۱)

''انھوں نے اللہ کے بجائے اپنے علما اور درویشوں کو اپنا رب بنالیا۔''

وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ط (آلِ عمران:۶۴)

''اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب نہ بنائے۔''

دونوں آیتوں میں ارباب سے مراد وہ لوگ ہیں جنھیں قوموں اور گروہوں نے مطلقاً اپنا راہ نُما و پیشوا مان لیا ہو۔ جن کے امر و نہی، ضابطہ و قانون اور تحلیل و تحریم کو بلا کسی سند کے تسلیم کیا جاتا ہو۔ جنھیں بجائے خود حکم دینے اور منع کرنے کا حق دار سمجھا جاتا ہو۔

اَمَّآ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ وَقَالَ لِلَّذِيْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ فَاَنْسٰهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ۔ (یوسف ۴۱۔۴۲)

''یوسف (علیہ السلام) نے کہا کہ تم میں سے ایک تو اپنے رب کو شراب پلائے گا..... اور ان دونوں میں سے جس کے متعلق یوسفؑ کا خیال تھا کہ رہا ہو جائے گا اس سے یوسفؑ نے کہا کہ اپنے رب سے میرا ذکر کرنا، مگر شیطان نے اسے بھلاوے میں ڈال دیا اور اسے اپنے رب سے یوسفؑ کا ذکر کرنے کا خیال نہ رہا۔''

فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسْئَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِيْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ط اِنَّ رَبِّيْ بِكَيْدِهِنَّ عَلِيْمٌ ○ (یوسف:۵۰)

''جب پیغام لانے والا یوسفؑ کے پاس آیا تو یوسفؑ نے اس سے کہا کہ اپنے رب کے پاس واپس جاؤ اور اس سے پوچھو کہ ان عورتوں کا کیا معاملہ ہے جنھوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے۔ میرا رب تو ان کی چال سے باخبر ہے ہی۔''

ان آیات میں حضرت یوسفؑ نے مصریوں سے خطاب کرتے ہوئے بار بار فرعونِ مصر کو ان کا رب قرار دیا ہے، اس لیے کہ جب وہ اس کی مرکزیّت اور اس کا اقتدارِ اعلیٰ اور اسے امر و نہی کا مالک تسلیم کرتے تھے، تو وہی ان کا رب تھا، برعکس اس کے خود حضرت یوسفؑ اپنا رب اللہ کو قرار

دیتے ہیں، کیوں کہ وہ فرعون کو نہیں، صرف اللہ کو مقتدرِ اعلیٰ اور صاحبِ امر و نہی مانتے تھے۔

پانچویں معنی ہیں:

فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ۝ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۝ (قریش:۳۔۴)

''لہٰذا انھیں اس گھر کے مالک کی عبادت کرنی چاہیے جس نے ان کی رزق رسانی کا انتظام کیا ہے اور انھیں بدامنی سے محفوظ رکھا ہے۔''

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ (الصّٰفّٰت:۱۸۰)

''تیرا رب جو عزت و اقتدار کا مالک ہے ان تمام صفاتِ عیب سے پاک ہے جو یہ لوگ اس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔''

فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ۔ (الانبیا:۲۲)

''اللہ جو عرش کا مالک ہے اُن تمام صفاتِ عیب سے پاک ہے جو یہ لوگ اس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔''

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝ (المومنون:۸۶)

''پوچھو کہ ساتوں آسمانوں کا اور عرشِ بزرگ کا مالک کون ہے؟''

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ۝ (الصّٰفّٰت:۵)

''وہ جو مالک ہے آسمانوں اور زمین کا اور اُن سب چیزوں کا جو آسمان و زمین کے درمیان ہیں اور سب چیزوں کا جن پر سورج طلوع ہوتا ہے۔''

وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى ۝ (النجم:۴۹)

''اور یہ کہ شعریٰ کا مالک بھی وہی ہے۔''

رُبُوبیّت کے باب میں گم راہ قوموں کے تخیلات

ان شواہد سے لفظِ رب کے معانی بالکل غیر مشتبہ طور پر معین ہو جاتے ہیں۔ اب ہمیں دیکھنا چاہیے کہ ربوبیت کے متعلق گم راہ قوموں کے وہ کیا تخیّلات تھے جن کی تردید کرنے کے لیے قرآن آیا، اور کیا چیز ہے جس کی طرف قرآن بلاتا ہے۔ اس سلسلہ میں زیادہ مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ

جن گم راہ قوموں کا ذکر قرآن نے کیا ہے انھیں الگ الگ لے کر ان کے خیالات سے بحث کی جائے تا کہ بات بالکل مُنقّح ہو جائے۔

قومِ نوحؑ

سب سے پہلی قوم جس کا ذکر قرآن کرتا ہے، حضرت نوحؑ کی قوم ہے۔ قرآن کے بیان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ اللہ کی ہستی کے منکر نہ تھے۔ حضرت نوحؑ کی دعوت کے جواب میں ان کا یہ قول خود قرآن نے نقل کیا ہے:

مَاهٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ط وَلَوْشَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً ج (المؤمنون:۲۴)

"یہ شخص کچھ نہیں ہے مگر تم جیسا ایک انسان، یہ دراصل تم پر اپنی فضیلت جمانا چاہتا ہے۔ ورنہ اگر اللہ کوئی رسول بھیجنا چاہتا تو فرشتوں کو بھیجتا۔"

انھیں اللہ کے خالق ہونے اور پہلے دوسرے معنی میں اس کے رب ہونے سے بھی انکار نہ تھا۔ چنانچہ حضرت نوحؑ جب ان سے کہتے ہیں کہ هُوَ رَبُّكُمْ قف وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ o [1] (ہود:۳۴)

اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ط اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا o لا [2] (نوح:۱۰) اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا o لا وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا o وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا [3] o لا الخ (نوح:۱۵۔۱۶)

تو ان میں سے کوئی یہ نہیں کہتا کہ اللہ ہمارا رب نہیں ہے، یا زمین و آسمان کو اور ہمیں اس نے پیدا نہیں کیا ہے، یا زمین و آسمان کا یہ سارا انتظام وہ نہیں کر رہا ہے۔ پھر انھیں اب اس بات سے بھی انکار نہ تھا کہ اللہ ان کا الٰہ ہے۔ اسی لیے

تو حضرت نوحؑ نے اپنی دعوت ان کے سامنے ان الفاظ میں پیش کی کہ مَالَكُمْ

---

[1] وہ تمھارا رب ہے اور اسی کی طرف تمھیں پلٹ کر جانا ہے۔

[2] اپنے رب سے معافی چاہو کہ وہ بڑا معاف کرنے والا ہے۔

[3] دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ نے کیسے ہفت آسمان تہ بہ تہ بنائے اور چاند کو ان کے درمیان نور اور سورج کو چراغ بنایا اور تمھیں بھی اسی طرح سے پیدا کیا۔

مِنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ (اس کے سوا تمھارے لیے کوئی دوسرا الٰہ نہیں ہے) ورنہ وہ اگر اللہ کے الٰہ ہونے سے منکر ہوتے تو دعوت کے الفاظ یہ ہوتے اِتَّخَذُوا اللّٰہَ اِلٰھًا (اللہ کو اپنا الٰہ بنالو)

اب سوال یہ ہے کہ ان کے اور حضرت نوحؑ کے درمیان نزاع کس بات پر تھا؟ آیاتِ قرآن کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ بنائے نزاع دو باتیں تھیں۔

ایک یہ کہ حضرت نوحؑ کی تعلیم یہ تھی کہ جو رب العالمین ہے، جسے تم بھی مانتے ہو کہ تمھیں اور تمام کائنات کو اسی نے وجود بخشا ہے اور وہی تمھاری ضروریات کا کفیل ہے، دراصل وہی اکیلا تمھارا الٰہ ہے، اس کے سوا کوئی دوسرا الٰہ نہیں ہے۔ کوئی اور ہستی نہیں ہے جو تمھاری حاجتیں پوری کرنے والی، مشکلیں آسان کرنے والی، دعائیں سننے اور مدد کو پہنچنے والی ہو۔ لہٰذا تم اسی کے آگے سرِ نیاز جھکاؤ۔

یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَالَکُمْ مِنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ ط وَلٰکِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ o اُبَلِّغُکُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ۔ (الاعراف:۵۹۔۶۲)

''اے برادرانِ قوم! اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمھارے لیے کوئی دوسرا الٰہ نہیں ہے..... مگر میں ربّ العٰلمین کی طرف سے پیغامبر ہوں۔ تمھیں اپنے رب کے پیغامات پہنچاتا ہوں۔''

برعکس اس کے وہ لوگ اس بات پر مُصر تھے کہ ربّ العٰلمین تو اللہ ہی ہے مگر دوسرے بھی خدائی کے انتظام میں تھوڑا بہت دخل رکھتے ہیں، اور ان سے بھی ہماری حاجتیں وابستہ ہیں، لہٰذا اللہ کے ساتھ ہم دوسروں کو الٰہ مانیں گے۔

وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِھَتَکُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ وَّلَا یَغُوْثَ وَیَعُوْقَ وَنَسْرًا o (نوح:۲۳)

''ان کے سرداروں اور پیشواؤں نے کہا کہ لوگو! اپنے الٰہوں کو نہ چھوڑو، ودّ اور سُواع اور یغوث اور یعوق اور نسر کو نہ چھوڑو۔''

دوسرے یہ کہ وہ لوگ صرف اس معنی میں اللہ کو رب مانتے تھے کہ وہ ان کا خالق، زمین و آسمان کا مالک اور کائنات کا مدبّرِ اعلیٰ ہے۔ لیکن اس بات کے قائل نہ تھے کہ اخلاق، معاشرت،

تمدن، سیاست اور تمام معاملاتِ زندگی میں بھی حاکمیت واقتدارِ اعلیٰ اسی کا حق ہے، وہی راہ نُما، وہی قانون ساز، وہی صاحبِ امر ونہی بھی ہے اور اسی کی اطاعت بھی ہونی چاہیے۔ ان سب معاملات میں انھوں نے اپنے سرداروں اور مذہبی پیشواؤں کو رب بنا رکھا تھا۔ برعکس اس کے حضرت نوحؑ کا مطالبہ یہ تھا کہ ربوبیت کے ٹکڑے نہ کرو۔ تمام مفہومات کے اعتبار سے صرف اللہ ہی کو رب تسلیم کرو، اور اس کا نمایندہ ہونے کی حیثیت سے جو قوانین اور احکام مَیں تمھیں پہنچاتا ہوں ان کی پیروی کرو۔

اِنِّیْ لَکُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوْنِ ۝ (الشعرا:۱۰۷۔۱۰۸)

"مَیں تمھارے لیے خدا کا معتبر رسول ہوں، لہٰذا اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔"

قومِ عاد

قومِ نوحؑ کے بعد قرآن عاد کا ذکر کرتا ہے۔ یہ قوم بھی اللہ کی ہستی سے منکر نہ تھی۔ اس کے الٰہ ہونے سے بھی اسے انکار نہ تھا۔ جس معنی میں حضرت نوحؑ کی قوم اللہ کو رب تسلیم کرتی تھی اس معنی میں یہ قوم بھی اللہ کو رب مان رہی تھی البتہ بنائے نزاع وہی دو امور تھے جو اوپر قومِ نوحؑ کے سلسلہ میں بیان ہو چکے ہیں۔ چنانچہ قرآن کی حسبِ ذیل تصریحات اس پر صاف دلالت کرتی ہیں:

وَاِلٰی عَادٍ اَخَاھُمْ ھُوْدًا ط قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ ط ..... قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰہَ وَحْدَہٗ وَنَذَرَ مَا کَانَ یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ج
(الاعراف:۶۵۔۷۰)

"عاد کی طرف ہم نے ان کے بھائی ہود کو بھیجا۔ اس نے کہا، اے برادرانِ قوم! اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمھارا کوئی الٰہ نہیں ..... انھوں نے جواب دیا کیا تو اس لیے آیا ہے کہ ہم بس اکیلے اللہ ہی کی عبادت کریں اور ان معبودوں کو چھوڑ دیں جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کے وقتوں سے ہوتی آ رہی ہے۔"

قَالُوْا لَوْ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِکَۃً۔ (حٰم السجدہ۔۱۴)

"انھوں نے کہا اگر ہمارا رب چاہتا تو فرشتے بھیج سکتا تھا۔"

وَتِلْكَ عَادٌ ۙ جَحَدُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ وَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ○ (ہود:۵۹)

''اور یہ عاد ہیں جنھوں نے اپنے رب کے احکام ماننے سے انکار کیا اس کے رسولوں کی اطاعت قبول نہ کی، اور ہر جبّار دشمنِ حق کی پیروی اختیار کرلی۔''

قومِ ثمود

اب ثمود کو لیجیے جو عاد کے بعد سب سے بڑی سرکش قوم تھی۔ اصولاً اس کی گم راہی بھی اس قسم کی تھی جو قومِ نوحؑ اور قومِ عاد کی بیان ہوئی ہے ان لوگوں کو اللہ کے وجود اور اس کے الٰہ اور رب ہونے سے انکار نہ تھا، اس کی عبادت سے بھی انکار نہ تھا۔ بلکہ انکار اس بات سے تھا کہ اللہ ہی الٰہ واحد ہے، صرف وہی عبادت کا مستحق ہے، اور ربوبیت اپنے تمام معانی کے ساتھ اکیلے اللہ ہی کے لیے خاص ہے۔ وہ اللہ کے سوا دوسروں کو بھی فریادرس، حاجت روا، اور مشکل کشا ماننے پر اصرار کرتے تھے۔ اور اپنی اخلاقی وتمدنی زندگی میں اللہ کی بجائے اپنے سرداروں اور پیشواؤں کی اطاعت کرنے اور ان سے اپنی زندگی کا قانون لینے پر مصر تھے۔ یہ چیز بالآخر اُن کے ایک فسادی قوم بن جانے اور مبتلائے عذاب ہونے کا موجب ہوئی۔ اس کی توضیح حسبِ ذیل آیات سے ہوتی ہے:

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ ○ اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ قَالُوْا لَوْ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً فَاِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ○ (حٰم السجدہ:۱۳۔۱۴)

''اے محمدؐ! اگر یہ لوگ تمھاری پیروی سے منہ موڑتے ہیں تو ان سے کہہ دو کہ عاد اور ثمود کو جو سزا ملی تھی ویسی ہی ایک ہول ناک سزا سے مَیں تمھیں ڈراتا ہوں۔ جب ان قوموں کے پاس ان کے پیغمبر آگے اور پیچھے سے آئے اور کہا کہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو تو انھوں نے کہا ہمارا رب چاہتا تو فرشتے بھیجتا، لہٰذا تم جو کچھ لے کر آئے ہو اسے ہم نہیں مانتے۔''

وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ ...... قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ اَتَنْهٰىنَآ اَنْ نَّعْبُدَ

مَایَعۡبُدُ اٰبَآؤُنَا ۔ (ہود:۶۱۔۶۲)

''اور ثمود کی طرف ہم نے ان کے بھائی صالح (علیہ السلام) کو بھیجا۔ اس نے کہا اے برادرانِ قوم! اللہ کی پرستش و بندگی کرو۔ اس کے سوا تمھارا کوئی الٰہ نہیں ہے..... انھوں نے کہا صالح! اس سے پہلے تو ہماری بڑی امیدیں تم سے تھیں، کیا تم ہمیں ان کی عبادت سے روکتے ہو جن کی عبادت باپ دادا سے ہوتی چلی آ رہی ہے۔''

اِذۡقَالَ لَھُمۡ اَخُوۡھُمۡ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوۡنَ o اِنِّیۡ لَکُمۡ رَسُوۡلٌ اَمِیۡنٌ o ۙ فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاَطِیۡعُوۡنِ o وَلَاتُطِیۡعُوۡا اَمۡرَالۡمُسۡرِفِیۡنَ o ۙ الَّذِیۡنَ یُفۡسِدُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ وَلَا یُصۡلِحُوۡنَ ۔ (الشعرا:۱۴۲۔۱۴۴۔۱۵۱۔۱۵۲)

''جب ان کے بھائی صالح (علیہ السلام) نے ان سے کہا کہ کیا تمھیں اپنے بچاؤ کی کوئی فکر نہیں؟ دیکھو میں تمھارے اللہ کا معتبر رسول ہوں لہٰذا اللہ کی ناراضی سے بچو اور میری اطاعت قبول کرو..... اور ان حد سے گزرنے والوں کی اطاعت نہ کرو جو زمین میں فساد برپا کرتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے۔''

قومِ ابراہیمؑ و نمرود

اس کے بعد حضرت ابراہیمؑ کی قوم کا نمبر آتا ہے۔ اس قوم کا معاملہ خاص طور پر اس لیے اہم ہے کہ اس کے بادشاہ نمرود کے متعلق یہ عام غلط فہمی ہے کہ وہ اللہ کا منکر اور خود خدا ہونے کا مُدعی تھا۔ حالانکہ وہ اللہ کی ہستی کا قائل تھا، اس کے خالق و مدبّرِ کائنات ہونے کا معتقد تھا، اور صرف تیسرے، چوتھے اور پانچویں معنی کے اعتبار سے اپنی ربوبیت کا دعویٰ کرتا تھا۔ نیز یہ بھی عام غلط فہمی ہے کہ یہ قوم اللہ سے بالکل ناواقف تھی اور اس کے الٰہ اور رب ہونے کی سرے سے قائل ہی نہ تھی۔ حالانکہ فی الحقیقت اس قوم کا معاملہ قومِ نوح اور عاد و ثمود سے کچھ بھی مختلف نہ تھا۔ وہ اللہ کے وجود کو بھی مانتی تھی، اس کا رب ہونا اور خالقِ ارض و سما اور مدبّرِ کائنات ہونا بھی اسے معلوم تھا، اس کی عبادت سے بھی وہ منکر نہ تھی۔ البتہ اس کی گم راہی یہ تھی کہ ربوبیت بمعنی اول و دوم میں اجرامِ فلکی کو حصہ دار سمجھتی تھی۔ اور اس بنا پر اللہ کے ساتھ انھیں بھی معبود قرار دیتی تھی۔ اور ربوبیت بمعنی

سوم و چہارم و پنجم کے اعتبار سے اس نے اپنے بادشاہوں کو رب بنا رکھا تھا۔ قرآن کی تصریحات اس بارے میں اتنی واضح ہیں کہ تعجب ہوتا ہے کہ کس طرح لوگ اصل معاملہ کو سمجھنے سے قاصر رہ گئے..... سب سے پہلے حضرت ابراہیمؑ کے آغازِ ہوش کا وہ واقعہ لیجیے جس میں نبوت سے پہلے ان کی تلاشِ حق کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ○ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ○ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ○ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ○ (الانعام:۷۶۔۷۹)

''جب اس پر رات طاری ہوئی تو اس نے ایک تارا دیکھا، کہنے لگا یہ میرا رب ہے۔ مگر جب وہ تارا ڈوب گیا تو اس نے کہا ڈوبنے والوں کو تو مَیں پسند نہیں کرتا، پھر جب چاند چمکتا ہوا دیکھا تو کہا، یہ میرا رب ہے مگر وہ بھی غروب ہو گیا تو کہا، اگر میرے رب نے میری راہ نُمائی نہ فرمائی تو یہ خطرہ ہے کہ کہیں مَیں بھی گم راہ لوگوں میں شامل نہ ہو جاؤں۔ پھر جب سورج کو روشن دیکھا تو کہا یہ میرا رب ہے، یہ سب سے بڑا ہے۔ مگر جب وہ بھی چھپ گیا تو وہ پکار اٹھا کہ اے برادرانِ قوم جو شرک تم کرتے ہو اس سے میرا کوئی تعلق نہیں۔ میں نے تو سب طرف سے منہ موڑ کر اپنا رُخ اس کی طرف پھیر دیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔''

خط کشیدہ فقروں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جس سوسائٹی میں حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے آنکھ کھولی تھی اس میں آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے کا تصور، اور اس ذات کے رب ہونے کا تصور، ان سیاروں کی ربوبیّت کے تصور سے الگ موجود تھا۔ اور آخر کیوں نہ موجود ہوتا جب کہ یہ لوگ ان مسلمانوں کی نسل سے تھے جو حضرت نوح (علیہ السلام) پر ایمان لائے تھے، اور ان کی قریبی رشتہ دار ہم سایہ اقوام (عاد و ثمود) میں پے در پے انبیا علیہم السلام کے ذریعہ سے دینِ

اسلام کی تجدید بھی ہوتی چلی آ رہی تھی (جَآءَتْھُمُ الرُّسُلُ مِنْ بَیْنِ اَیْدِیْھِمْ وَمِنْ خَلْفِھِمْ) پس حضرت ابراہیمؑ کو اللہ کے فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور رَبّ ہونے کا تصور تو اپنے ماحول سے مل چکا تھا، البتہ جو سوالات ان کے دل میں کھٹکتے تھے وہ یہ تھے کہ نظامِ ربوبیت میں اللہ کے ساتھ چاند، سورج، اور سیّاروں کے شریک ہونے کا جو تخیّل ان کی قوم میں پایا جاتا ہے، اور جس کی بنا پر یہ لوگ عبادت میں بھی اللہ کے ساتھ انھیں شریک ٹھہرا رہے ہیں، یہ کہاں تک مبنی بر حقیقت[1] ہے۔ چنانچہ نبوت سے پہلے اسی کی جستجو انھوں نے کی اور طلوع وغروب کا انتظام ان کے لیے اس امرِ واقعی تک پہنچنے میں دلیلِ راہ بن گیا کہ فَاطِرَ السَّمٰوٰت والارض کے سوا کوئی رب نہیں ہے۔ اسی بنا پر چاند کو غروب ہوتے دیکھ کر وہ فرماتے ہیں کہ اگر میرے رب، یعنی اللہ نے میری راہ نُمائی نہ فرمائی تو خوف ہے کہ کہیں میں بھی حقیقت تک رسائی پانے سے نہ رہ جاؤں، اور ان مظاہر سے دھوکا نہ کھا جاؤں جن سے میرے گرد وپیش لاکھوں انسان دھوکا کھا رہے ہیں۔

پھر جب حضرت ابراہیمؑ نبوت کے منصب پر سرفراز ہوئے اور انھوں نے دعوتِ الی اللہ کا کام شروع کیا تو جن الفاظ میں وہ اپنی دعوت پیش فرماتے تھے ان پر غور کرنے سے وہ بات اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے جو ہم نے اوپر بیان کی ہے، فرماتے ہیں:

وَکَیْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَکْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّکُمْ اَشْرَکْتُمْ بِاللّٰہِ مَالَمْ یُنَزِّلْ بِہٖ عَلَیْکُمْ سُلْطٰنًا ط (الانعام:۸۲)

"اور آخر میں ان سے کس طرح ڈر سکتا ہوں جنھیں تم اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو، جب کہ تم اللہ کے ساتھ انھیں شریک بناتے ہوئے نہیں ڈرتے جن کے الٰہیّت اور ربوبیّت میں شریک ہونے پر اللہ نے تمھارے پاس کوئی سند نہیں بھیجی ہے۔"

وَاَعْتَزِلُکُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ ۔ (مریم:۴۸)

"تم اللہ کے سوا اور جن جن سے دعائیں مانگتے ہو ان سے میں دست کش ہوتا ہوں"

قَالَ بَلْ رَّبُّکُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِیْ فَطَرَھُنَّ ..... قَالَ

---

[1] یہاں اس امر کا ذکر دل چسپی سے خالی نہ ہوگا کہ حضرت ابراہیمؑ کے وطن اُر کے متعلق آثارِ قدیمہ کی کھدائیوں میں جو انکشافات ہوئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں چندر ماں دیوتا کی پرستش ہوتی تھی جسے ان کی زبان میں "نتار" کہا جاتا تھا۔ اور اس کے ہم سایہ علاقہ میں جس کا مرکز لَرسہ تھا سورج دیوتا کی عبادت ہوتی تھی جس کا نام ان کی زبان میں شماس تھا۔ اس ملک کے فرماں روا خاندان کا بانی اُرنمو تھا جو عرب میں جا کر نمرود ہو گیا اور اسی کے نام پر وہاں کے فرماں رواں کا لقب ہی نمرود قرار پایا، جیسے نظام الملک کے جانشین نظام کہلاتے ہیں۔

اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَالَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ○

(الانبیا:۵۶۔۶۶)

''کہا، تمھارا رب تو صرف آسمانوں اور زمین کا رب ہی ہے جس نے ان سب چیزوں کو پیدا کیا ہے..... کہا پھر کیا تم اللہ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہو جو تمھیں نفع ونقصان پہنچانے کا کچھ بھی اختیار نہیں رکھتے؟''

اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَاذَا تَعْبُدُوْنَ ○ اَئِفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِيْدُوْنَ ○ فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ (الصّٰفّٰت:۸۵۔۸۷)

''جب ابراہیمؑ نے اپنے باپ اور اپنی قوم کے لوگوں سے کہا، یہ تم کن کی عبادت کر رہے ہو؟ کیا اللہ کے سوا اپنے خود ساختہ الٰہوں کی بندگی کا ارادہ ہے؟ پھر رب العٰلمین کے متعلق تمھارا کیا خیال ہے؟''

اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ ۔ (الممتحنہ:۴)

''(ابراہیم علیہ السلام اور اس کے ساتھی مسلمانوں نے اپنی قوم کے لوگوں سے صاف کہہ دیا) کہ ہمارا تم سے اور اللہ کے سوا جن جن کی عبادت تم کرتے ہو ان سب سے کوئی تعلق نہیں، ہم تمھارے طریقے کو ماننے سے انکار کر چکے ہیں اور ہمارے اور تمھارے درمیان ہمیشہ کے لیے بغض وعداوت کی بِنا پڑ گئی ہے جب تک کہ تم اکیلے اللہ پر ایمان نہ لاؤ۔''

حضرت ابراہیمؑ کے ان تمام ارشادات کو دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کے مخاطب وہ لوگ نہ تھے جو اللہ سے بالکل ناواقف اور اس کے رب العٰلمین اور معبود ہونے سے منکر یا خالی الذہن ہوتے۔ بلکہ وہ لوگ تھے جو اللہ کے ساتھ ربوبیت (بمعنی اول ودوم) اور الٰہیت میں دوسروں کو شریک قرار دیتے تھے۔ اسی لیے تمام قرآن میں کسی ایک جگہ بھی حضرت ابراہیمؑ کا کوئی ایسا قول موجود نہیں ہے جس میں انھوں نے اپنی قوم کو اللہ کی ہستی اور اس کے الٰہ اور رب ہونے کا قائل کرنے کی کوشش کی ہوگی، بلکہ ہر جگہ وہ دعوت اس چیز کی دیتے ہیں کہ اللہ ہی رب اور الٰہ ہے۔

اب نمرود کے معاملہ کو لیجیے۔ اس سے حضرت ابراہیمؑ کی جو گفتگو ہوئی اسے قرآن اس طرح

نقل کرتا ہے:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِى حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِىْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّىَ الَّذِىْ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْىٖ وَاُمِيْتُ ؕ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِىْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِىْ كَفَرَ ؕ

(البقرہ:۲۵۸)

''تم نے اس شخص کو بھی دیکھا جس نے ابراہیمؑ سے اس کے رب کے بارے میں بحث کی، اس بنا پر کہ اللہ نے اسے حکومت دے رکھی تھی۔ جب ابراہیمؑ نے کہا کہ میرا رب وہ ہے جس کے ہاتھ میں زندگی اور موت ہے، تو اس نے کہا زندگی اور موت میرے اختیار میں ہے۔ ابراہیمؑ نے کہا، اچھا تو حقیقت یہ ہے کہ اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے اب تو ذرا اُسے مغرب سے نکال لا۔ یہ سن کر وہ کافر مبہوت ہو کر رہ گیا۔''

اس گفتگو سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ جھگڑا اللہ کے ہونے یا نہ ہونے پر نہ تھا بلکہ اس بات پر تھا کہ ابراہیم علیہ السلام ''رب'' کسے تسلیم کرتے ہیں۔ نمرود اوّل تو اُس قوم سے تعلق رکھتا تھا جو اللہ کی ہستی کو مانتی تھی۔ دوسرے جب تک کہ وہ بالکل ہی پاگل نہ ہو جاتا وہ ایسی صریح احمقانہ بات کبھی نہ کہہ سکتا تھا کہ زمین و آسمان کا خالق اور سورج اور چاند کو گردش دینے والا وہ خود ہے۔ پس دراصل اس کا دعوٰی یہ نہ تھا کہ میں اللہ ہوں، یا رب السّمٰوت والارض ہوں، بلکہ اس کا دعویٰ صرف یہ تھا کہ میں اس مملکت کا ''رب'' ہوں جس کی رعیت کا ایک فرد ابراہیمؑ ہے۔ اور یہ رب ہونے کا دعوٰی بھی اسے ربوبیت کے پہلے اور دوسرے مفہوم کے اعتبار سے نہ تھا، کیوں کہ اس اعتبار سے تو وہ خود چاند اور سورج اور سیاروں کی ربوبیت کا قائل تھا، البتہ وہ تیسرے، چوتھے اور پانچویں مفہوم کے اعتبار سے اپنی مملکت کا رب بنتا تھا۔ یعنی اس کا دعویٰ یہ تھا کہ میں اس ملک کا مالک ہوں، اس کے سارے باشندے میرے بندے، میرا مرکزی اقتدار ان کے اجتماع کی بنیاد ہے، اور میرا فرمان اُن کے لیے قانون ہے۔ اَنْ اٰتٰهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ کے الفاظ صریحاً اس بات کی طرف اشارہ کر رہے کہ اس دعوائے ربوبیت کی بنیاد بادشاہی کے زعم پر تھی۔ جب اسے معلوم ہوا کہ اس کی رعیت میں سے ابراہیمؑ نامی ایک نوجوان اٹھا ہے جو نہ چاند اور سورج اور سیاروں کی فوق

الفطری ربوبیت کا قائل ہے اور نہ بادشاہ وقت کی سیاسی وتمدنی ربوبیت تسلیم کرتا ہے، تو اسے تعجب ہوا اور اس نے حضرت ابراہیمؑ کو بلا کر دریافت کیا کہ آخر تم کسے رب مانتے ہو؟ حضرت ابراہیمؑ نے پہلے فرمایا کہ میرا رب وہ ہے جس کے قبضۂ قدرت میں زندگی اور موت کے اختیارات ہیں۔ مگر اس جواب سے وہ بات کی تہ کو نہ پہنچ سکا اور یہ کہ کر اس نے اپنی ربوبیت ثابت کرنی چاہی کہ زندگی اور موت کے اختیارات تو مجھے حاصل ہیں جسے چاہوں قتل کرادوں اور جس کی چاہوں جان بخشی کر دوں۔ تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسے بتایا کہ میں صرف اللہ کو رب مانتا ہوں، ربوبیت کے جملہ مفہومات کے اعتبار سے میرے نزدیک تنہا اللہ ہی رب ہے، اس نظامِ کائنات میں کسی دوسرے کی ربوبیت کے لیے گنجائش ہی کہاں ہوسکتی ہے جب کہ سورج کے طلوع وغروب پر وہ ذرّہ برابر اثر انداز نہیں ہوسکتا۔ نمرود آدمی ذی ہوش تھا۔ اس دلیل کو سن کر اس پر یہ حقیقت کھل گئی کہ فی الحقیقت اللہ کی سلطنت میں اس کا دعوائے ربوبیت بجز ایک زعمِ باطل کے اور کچھ نہیں ہے، اسی لیے وہ دم بخود ہو کر رہ گیا، مگر نفس پرستی اور شخصی وخاندانی اغراض کی بندگی ایسی دامن گیر ہوئی کہ حق کے ظہور کے باوجود وہ خود مختارانہ حکم رانی کے منصب سے اتر کر اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت پر آمادہ نہ ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ اس گفتگو کو نقل کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَاللّٰہُ لَایَھْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ (مگر اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا) یعنی اس ظہورِ حق کے بعد جو رویہ اسے اختیار کرنا چاہیے تھا اسے اختیار کرنے کے لیے جب وہ تیار نہ ہوا اور اس نے غاصبانہ فرماں روائی کر کے دنیا پر اور خود اپنے نفس پر ظلم کرنا ہی پسند کیا تو اللہ نے بھی اسے ہدایت کی روشنی عطا نہ کی، کیوں کہ اللہ کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ جو خود ہدایت کا طالب نہ ہو اس پر زبردستی اپنی ہدایت مسلّط کر دے۔

قومِ لُوطؑ

قومِ ابراہیمؑ کے بعد ہمارے سامنے وہ قوم آتی ہے جس کی اصلاح پر حضرت ابراہیمؑ کے بھتیجے حضرت لوطؑ مامور کیے گئے تھے۔ اس قوم کے متعلق بھی قرآن سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہ تو اللہ کے وُجود کی منکر تھی نہ اس بات کی منکر تھی کہ اللہ خالق اور رب بمعنی اول ودوم ہے۔ البتہ اسے انکار اس سے تھا کہ اللہ ہی کو تیسرے، چوتھے اور پانچویں معنی میں بھی رب مانے اور اس کے معتمد علیہ نمایندے کی حیثیت سے رسول کے اقتدار کو تسلیم کرے وہ چاہتی تھی کہ اپنی خواہشِ نفس

کے مطابق خود جس طرح چاہے کام کرے۔ یہی اس کا اصلی جرم تھا اور اسی بنا پر وہ عذاب میں مبتلا ہوئی۔ قرآن کی حسبِ ذیل تصریحات اس پر شاہد ہیں:

اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ○ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ○ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ○ وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ○ اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِیْنَ○ وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ ط بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ○ (الشعرا:۱۶۱۔۱۶۵)

''جب ان کے بھائی لوط علیہ السلام نے ان سے کہا کہ تم تقویٰ اختیار کرو، دیکھو میں تمھارے لیے امانت دار رسول ہوں۔ لہٰذا اللہ کے غضب سے بچو اور میری اطاعت کرو۔ اس کام پر میں تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا، میرا معاوضہ تو صرف رب العٰلمین کے ذمہ ہے۔ کیا دنیا کے لوگوں میں سے تم لڑکوں کی طرف جاتے ہو اور تمھارے رب نے تمھارے لیے جو بیویاں پیدا کی ہیں انھیں چھوڑ دیتے ہو؟ تم بڑے ہی حد سے گزرنے والے لوگ ہو۔''

ظاہر ہے کہ یہ خطاب ایسے ہی لوگوں سے ہوسکتا تھا جو اللہ کے وجود اور اس کے خالق اور پروردگار ہونے کے منکر نہ ہوں۔ چنانچہ جواب میں وہ بھی یہ نہیں کہتے کہ اللہ کیا چیز ہے؟ یا وہ پیدا کرنے والا کون ہوتا ہے؟ یا وہ کہاں سے ہمارا رب ہوگیا؟ بلکہ کہتے ہیں کہ:

لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ یٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِیْنَ○ (الشعرا:۱۶۷)

''اے لوطؑ! اگر تم اپنی باتوں سے باز نہ آئے تو ملک سے نکال باہر کیے جاؤ گے''

دوسری جگہ اس واقعہ کو یوں فرمایا گیا ہے:

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ○ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِیْلَ ۙ وَتَاْتُوْنَ فِیْ نَادِیْكُمُ الْمُنْكَرَ ط فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ

اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ○ (العنکبوت:۲۹/۲۸)

''اور ہم نے لوط کو بھیجا۔ جب اس نے قوم سے کہا کہ تم لوگ وہ فعلِ شنیع کرتے ہو جو تم سے پہلے دنیا میں کسی نے نہ کیا تھا، کیا تم مردوں سے شہوت رانی کرتے ہو، راستوں پر ڈاکے مارتے ہو، اور اپنی مجلسوں میں علانیہ ایک دوسرے کے سامنے بدکاریاں کرتے ہو؟ تو اس کی قوم کا جواب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ لے آؤ ہم پر اللہ کا عذاب اگر تم سچے ہو۔''

کیا یہ جواب کسی منکرِ خدا قوم کا ہو سکتا تھا؟ پس معلوم ہوا کہ ان کا اصلی جُرم انکار الوہیّت وربوبیّت نہ تھا، بلکہ یہ تھا کہ وہ فوق الفطری معنی میں اللہ کو الٰہ اور رب مانتے تھے۔ لیکن اپنے اخلاق، تمدن اور معاشرت میں اللہ کی اطاعت اور اس کے قانون کی پیروی کرنے سے انکار کرتے تھے اور اس کے رسول کی ہدایت پر چلنے کے لیے تیار نہ تھے۔

قومِ شعیبؑ

اس کے بعد اہلِ مدین اور اصحاب الایکہ کو لیجیے جن میں حضرت شعیب علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے۔ ان لوگوں کے متعلق ہمیں معلوم ہے کہ یہ حضرت ابراہیمؑ کی اولاد سے تھے۔ اس لیے یہ سوال پیدا ہی نہیں ہوتا کہ وہ اللہ کے وجود اور اس کے الٰہ اور رب ہونے کے قائل تھے یا نہ تھے۔ ان کی حیثیت دراصل ایک ایسی قوم کی تھی جس کی ابتدا اسلام سے ہوئی اور بعد میں وہ عقائد و اعمال کی خرابیوں میں مبتلا ہو کر بگڑتی چلی گئی۔ بلکہ قرآن سے تو کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ مومن ہونے کے بھی مدعی تھے۔ چنانچہ بار بار حضرت شعیبؑ ان سے فرماتے ہیں کہ ''اگر تم مومن ہو'' تو تمھیں یہ کرنا چاہیے۔ حضرت شعیبؑ کی ساری تقریروں اور ان کے جوابات کو دیکھنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایک ایسی قوم تھی جو اللہ کو مانتی تھی۔ اسے معبود اور پروردگار بھی تسلیم کرتی تھی، مگر دو طرح کی گم راہیوں میں مبتلا ہو گئی تھی۔ ایک یہ کہ وہ فوق الفطری معنی میں اللہ کے سوا دوسروں کو بھی الٰہ اور رب سمجھنے لگی تھی، اس لیے اس کی عبادت صرف اللہ کے لیے مختص نہ رہی تھی۔ دوسرے یہ کہ اس کے نزدیک اللہ کی ربوبیت کو انسان کے اخلاق، معاشرت، معیشت اور تمدن و سیاست سے کوئی سروکار نہ تھا، اس بنا پر وہ کہتی تھی کہ اپنی تمدنی زندگی میں ہم مختار ہیں، اپنے معاملات کو جس

طرح چاہیں چلائیں۔

قرآن کی حسبِ ذیل آیات ہمارے اس بیان کی تصدیق کرتی ہیں:

وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاھُمْ شُعَیْبًاط قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَالَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗط قَدْ جَآءَتْکُمْ بَیِّنَۃٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ فَاَوْفُوا الْکَیْلَ وَالْمِیْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَھُمْ وَلَاتُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِھَاط ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَo وَاِنْ کَانَ طَآئِفَۃٌ مِّنْکُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِیْٓ اُرْسِلْتُ بِہٖ وَطَآئِفَۃٌ لَّمْ یُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا حَتّٰی یَحْکُمَ اللّٰہُ بَیْنَنَا وَھُوَ خَیْرُ الْحٰکِمِیْنَo (الاعراف:۸۵۔۸۷)

''اور مدین کی طرف ہم نے ان کے بھائی شعیبؑ کو بھیجا۔ اس نے کہا، اے برادرانِ قوم! اللہ کی بندگی کرو کہ اس کے سوا تمھارا کوئی الٰہ نہیں ہے۔ تمھارے رب کی طرف سے تمھارے پاس روشن ہدایت آ چکی ہے۔ پس تم ناپ تول ٹھیک کرو، لوگوں کو ان کی چیزوں میں گھاٹا نہ دیا کرو، اور زمین میں فساد نہ کرو جب کہ اس کی اصلاح کی جا چکی تھی۔ اسی میں تمھاری بھلائی ہے اگر تم مومن ہو..... اگر تم میں سے ایک گروہ اس ہدایت پر ''جس کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں'' ایمان لاتا ہے اور دُوسرا ایمان نہیں لاتا تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ ہمارے درمیان فیصلہ کر دے اور وہی بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔''

وَیٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِکْیَالَ وَالْمِیْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَھُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَo بَقِیَّتُ اللّٰہِ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ج وَمَآ اَنَا عَلَیْکُمْ بِحَفِیْظٍo قَالُوْا یٰشُعَیْبُ اَصَلٰوتُکَ تَاْمُرُکَ اَنْ نَّتْرُکَ مَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِیْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُاط اِنَّکَ لَاَنْتَ الْحَلِیْمُ الرَّشِیْدُo (ہود:۸۵۔۸۷)

''اے برادرانِ قوم! پیمانے اور ترازو انصاف کے ساتھ پورے پورے ناپو اور تولو، لوگوں کو ان چیزوں میں گھاٹا نہ دو، اور زمین میں فساد نہ برپا کرتے

پھرو، اللہ کی عنایت سے کاروبار میں جو بچت ہو وہی تمھارے لیے بہتر ہے، اگر تم مومن ہو۔ اور میں تمھارے اوپر کوئی نگاہ بان نہیں ہوں۔ انھوں نے جواب دیا اے شعیب! کیا تمھاری نماز تمھیں یہ حکم دیتی ہے کہ ہم ان معبودوں کو چھوڑ دیں جن کی عبادت ہمارے باپ دادا سے ہوتی چلی آ رہی ہے، یا یہ کہ ہم اپنے مال میں اپنی مرضی کے مطابق تصرّف کرنا ترک کر دیں؟ تم ہی تو ایک بردبار اور راست باز رہ گئے ہو!''

آخری خط کشیدہ الفاظ خصوصیت کے ساتھ اس بات کو واضح کر دیتے ہیں کہ ربوبیت والُوہیّت کے بارے میں ان کی اصل گم راہی کیا تھی۔

فرعون اور آلِ فرعون

اب ہمیں فرعون اور اس کی قوم کو دیکھنا چاہیے جس کے باب میں نمرود اور اس کی قوم سے بھی زیادہ غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔ عام خیال یہ ہے کہ فرعون نہ صرف خدا کی ہستی کا منکر تھا بلکہ خود خدا ہونے کا مدعی تھا۔ یعنی اس کا دماغ اتنا خراب ہو گیا تھا کہ دنیا کے سامنے کھل کھلا یہ دعوٰی کرتا تھا کہ میں خالقِ ارض وسما ہوں، اور اس کی قوم اتنی پاگل تھی کہ اس کے دعوے پر ایمان لاتی تھی۔ حالانکہ قرآن اور تاریخ کی شہادت سے اصل حقیقت یہ معلوم ہوتی ہے کہ الوہیّت وربوبیت کے باب میں اس کی گم راہی نمرود کی گم راہی سے اور اس کی قوم کی گم راہی قومِ نمرود کی گم راہی سے کچھ زیادہ مختلف نہ تھی۔ فرق جو کچھ تھا وہ صرف اس بِنا پر تھا کہ یہاں سیاسی اسباب سے بنی اسرائیل کے ساتھ ایک قوم پرستانہ ضد اور متعصّبانہ ہٹ دھرمی پیدا ہو گئی تھی، اس لیے محض عناد کی بِنا پر اللہ کو الٰہ اور رب ماننے سے انکار کیا جاتا تھا اگرچہ دلوں میں اس کا اعتراف چھپا ہوا تھا۔ جیسا کہ آج کل بھی اکثر دہریوں کا حال ہے۔

اصل واقعات یہ ہیں کہ حضرت یوسفؑ کو جب مصر میں اقتدار حاصل ہوا تو انھوں اپنی پوری قوت اسلام کی تعلیم پھیلانے میں صرف کر دی۔ اور سرزمینِ مصر پر اتنا گہرا نقش مرتسم کیا کہ صدیوں تک کسی کے مٹائے نہ مٹ سکا۔ اُس وقت چاہے تمام اہل مصر نے دین حق قبول نہ کر لیا ہو۔ مگر یہ ناممکن تھا کہ مصر میں کوئی شخص اللہ سے ناواقف رہ گیا ہو اور یہ نہ جان گیا ہو کہ وہی خالقِ ارض وسما

ہے۔ یہی نہیں بلکہ ان کی تعلیمات کا کم از کم اتنا اثر ہر مصری پر ضرور ہو گیا تھا کہ وہ فوق الفطری معنوں میں اللہ کو الٰہ الالٰہ اور رب الارباب تسلیم کرتا تھا اور کوئی مصری اللہ کی الوہیّت کا منکر نہ رہا تھا۔ البتہ جو ان میں کفر پر قائم رہ گئے تھے وہ الوہیت و ربوبیت میں اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراتے تھے۔ یہ اثرات حضرت موسیٰ کی بعثت کے وقت تک باقی تھے[1]۔ چنانچہ اس کا صریح ثبوت وہ تقریر ہے جو فرعون کے دربار میں ایک قبطی سردار نے کی تھی۔ جب فرعون نے حضرت موسیٰ کے قتل کا ارادہ ظاہر کیا تو اس کے دربار کا یہ امیر جو مسلمان ہو چکا تھا مگر اپنا اسلام چھپائے تھا، بے قرار ہو کر بول اٹھا:

أَتَقْتُلُونَ رَجُلًا أَنْ يَقُولَ رَبِّيَ اللَّهُ وَقَدْ جَاءَكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ مِنْ رَبِّكُمْ ۖ وَإِنْ يَكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهُ ۖ وَإِنْ يَكُ صَادِقًا يُصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِي يَعِدُكُمْ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ○ يَا قَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظَاهِرِينَ فِي الْأَرْضِ فَمَنْ يَنْصُرُنَا مِنْ بَأْسِ اللَّهِ إِنْ جَاءَنَا ۚ يَا قَوْمِ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ مِثْلَ يَوْمِ الْأَحْزَابِ ○ مِثْلَ دَأْبِ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ وَالَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ ۚ وَلَقَدْ جَاءَكُمْ يُوسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا زِلْتُمْ فِي شَكٍّ مِمَّا جَاءَكُمْ بِهِ ۖ حَتَّىٰ إِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَبْعَثَ اللَّهُ مِنْ بَعْدِهِ رَسُولًا ۚ وَيَا قَوْمِ مَا لِي أَدْعُوكُمْ إِلَى النَّجَاةِ وَتَدْعُونَنِي إِلَى النَّارِ ○ تَدْعُونَنِي لِأَكْفُرَ بِاللَّهِ وَأُشْرِكَ بِهِ مَا لَيْسَ لِي بِهِ عِلْمٌ وَأَنَا أَدْعُوكُمْ إِلَى الْعَزِيزِ الْغَفَّارِ ○ (المومن: ۲۸ تا ۳۱۔ ۳۴، ۴۱ تا ۴۲)

"کیا تم ایک شخص کو اس لیے قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔ حالانکہ وہ تمھارے رب کی طرف سے تمھارے سامنے کھلی کھلی نشانیاں لایا

---

[1] اگر توراۃ کے تاریخی بیان پر اعتماد کیا جائے تو اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مصر کی آبادی کا تقریباً پانچواں حصہ مسلمان ہو چکا تھا۔ توراۃ میں بنی اسرائیل کی جو مردم شماری درج کی گئی ہے اس کی رُو سے وہ لوگ جو حضرت موسیٰؑ کے ساتھ مصر سے نکلے تھے تقریباً ۲۰ لاکھ تھے۔ اور مصر کی آبادی اس زمانہ میں ایک کروڑ سے زیادہ نہ ہوگی۔ توراۃ میں ان سب لوگوں کو بنی اسرائیل کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے لیکن کسی حساب سے یہ ممکن نظر نہیں آتا کہ حضرت یعقوبؑ کے ۱۲ بیٹوں کی اولاد ۵ سو سال کے اندر بڑھ کر ۲۰ لاکھ ہو گئی ہو۔ لہٰذا قیاس یہی چاہتا ہے کہ مصر کے لوگوں میں سے ایک بہت بڑی تعداد مسلمان ہو کر بنی اسرائیل میں شامل ہو گئی ہو گی اور ہجرت کے موقع پر ان مصری مسلمانوں نے بھی اسرائیلی مسلمانوں کا ساتھ دیا ہوگا، اس سے اس تبلیغی کام کا اندازہ ہو سکتا ہے جو حضرت یوسفؑ اور ان کے خلفا نے مصر میں کیا۔

ہے۔ اگر وہ جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کا وبال اس پر ضرور پڑے گا۔ لیکن اگر وہ سچا ہے تو جس انجام سے وہ تمھیں ڈرا رہا ہے اس میں سے کچھ نہ کچھ تو تم پر نازل ہو کے رہے گا۔ یقین جانو کہ اللہ کسی حد سے بڑھے ہوئے جھوٹے آدمی کو فلاح کا راستہ نہیں دکھاتا۔ اے برادرانِ قوم! آج تمھارے ہاتھ میں حکومت ہے، زمین میں تم غالب ہو، مگر کل اللہ کا عذاب ہم پر آ جائے تو کون ہماری مدد کرے گا؟..... اے برادران قوم! میں ڈرتا ہوں کہ کہیں تم پر وہ دن نہ آ جائے جو بڑی بڑی قوموں پر آ چکا ہے، اور وہی انجام تمھارا نہ ہو، جو قومِ نوح اور عاد اور ثمود اور بعد کی قوموں کا ہوا..... اس سے پہلے یوسف (علیہ السلام) تمھارے پاس روشن نشانیاں لے کر آئے تو تم اس چیز کے متعلق شک میں پڑے رہے جسے وہ لائے تھے۔ پھر جب ان کا انتقال ہو گیا تو تم نے کہا کہ اللہ ان کے بعد کوئی رسول نہ بھیجے گا..... اور اے برادران قوم! یہ عجیب معاملہ ہے کہ مَیں تمھیں نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھے آگ کی طرف دعوت دیتے ہو تم مجھے اس طرف بلاتے ہو کہ میں اللہ کے ساتھ کفر کروں اور اس کے ساتھ انھیں شریک ٹھہراؤں جن کے شریک ہونے پر میرے پاس کوئی علمی ثبوت نہیں ہے، اور میں تمھیں اس کی طرف بلاتا ہوں جو سب سے زبردست ہے اور بخشنے والا ہے۔"

یہ پوری تقریر اس بات پر شاہد ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی عظیم الشان شخصیت کا اثر کئی صدیاں گزر جانے کے بعد بھی اس وقت تک باقی تھا اور اس جلیل القدر نبی کی تعلیم سے متاثر ہونے کے باعث یہ قوم جہالت کے اس مرتبے پر نہ تھی کہ اللہ کی ہستی سے بالکل ہی ناواقف ہوتی یا یہ نہ جانتی کہ اللہ رب اور الٰہ ہے اور قوائے فطرت پر اس کا غلبہ و قہر قائم ہے اور اس کا غضب کوئی ڈرنے کی چیز ہے۔ اس کے آخری فقرے سے یہ بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ قوم اللہ کی الوہیّت اور ربوبیت کی قطعی منکر نہ تھی بلکہ ان کی گم راہی وہی تھی جو دوسری قوموں کی بیان ہو چکی ہے۔ یعنی ان دونوں حیثیتوں میں اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہرانا۔

شبہ جس وجہ سے واقع ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ فرعون حضرت موسیٰؑ کی زبان سے اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ

الْعٰلَمِیْنَ (ہم ربّ العٰلمین کے رسول ہیں) سن کر پوچھتا ہے وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ (ربّ العٰلمین کیا چیز ہے؟) اپنے وزیر ہامان سے کہتا ہے کہ میرے لیے ایک اونچی عمارت بنا کہ میں موسیٰ کے الٰہ کو دیکھوں۔ حضرت موسیٰؑ کو دھمکی دیتا ہے کہ میرے سوا کسی اور کو تم نے الٰہ بنایا تو میں تمھیں قید کر دوں گا۔ ملک بھر میں اعلان کرتا ہے کہ میں تمھارا رب اعلیٰ ہوں۔ اپنے درباریوں سے کہتا ہے کہ میں اپنے سوا تمھارے کسی الٰہ کو نہیں جانتا۔ اس قسم کے فقرات دیکھ کر لوگوں کو گمان ہوا ہے کہ شاید وہ اللہ کی ہستی ہی کا منکر تھا، رب العالمین کے تصور سے بالکل خالی الذہن تھا اور اپنے آپ ہی کو واحد معبود سمجھتا تھا۔ مگر اصل واقعہ یہ ہے کہ اس کی یہ تمام باتیں قوم پرستانہ ضد کی وجہ سے تھیں۔ حضرت یوسفؑ کے زمانہ میں صرف یہی نہیں ہوا تھا کہ آں جناب کی زبردست شخصیت کے اثر سے اسلام کی تعلیمات مصر میں پھیل گئی تھیں، بلکہ حکومت میں جو اقتدار انھیں حاصل ہوا تھا ان کی بدولت بنی اسرائیل مصر میں بہت بااثر ہو گئے تھے۔ تین چار سو سال تک یہ اسرائیلی اقتدار مصر پر چھایا رہا۔ پھر وہاں اسرائیلیوں کے خلاف قوم پرستانہ جذبات پیدا ہونا شروع ہوئے۔ یہاں تک کہ ان کے اقتدار کو الٹ پھینکا گیا اور ایک مصری قوم پرست خاندان فرماں روا ہو گیا۔ ان نئے فرماں رواؤں نے محض اسرائیلیوں کو دبانے اور کچلنے ہی پر اکتفا نہ کیا بلکہ دَورِ یوسفی کے ایک ایک اثر کو مٹانے اور اپنے قدیم جاہلی مذہب کی روایات کو تازہ کرنے کی کوشش کی۔ اس حالت میں جب حضرت موسیٰؑ تشریف لائے تو ان لوگوں کو خطرہ ہوا کہ کہیں اقتدار پھر ہمارے ہاتھ سے نکل کر اسرائیلیوں کے ہاتھ میں نہ چلا جائے۔ یہی عناد اور ہٹ دھرمی کا جذبہ تھا جس کی بنا پر فرعون چندرا چندرا کر حضرت موسیٰؑ سے پوچھتا تھا کہ رب العٰلمین کیا ہوتا ہے؟ میرے سوا اور الٰہ کون ہو سکتا ہے؟ دراصل وہ رب العٰلمین سے بے خبر نہ تھا۔ اس کی اور اس کے اہل دربار کی گفتگوئیں اور حضرت موسیٰؑ کی جو تقریریں قرآن میں آئی ہیں، ان سب سے یہ حقیقت بیّن طور پر ثابت ہوتی ہے۔ مثلاً ایک موقع پر فرعون اپنی قوم کو یہ یقین دلانے کے لیے کہ موسیٰؑ خدا کے پیغمبر نہیں ہیں، کہتا ہے:

فَلَوْلَآ اُلْقِیَ عَلَیْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْجَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِیْنَ o

(الزخرف:۵۳)

”تو کیوں نہ اس کے لیے سونے کے کنگن اتارے گئے؟ یا فرشتے صف بستہ ہو کر اس کے ساتھ کیوں نہ آئے؟“

کیا یہ بات ایک ایسا شخص کہہ سکتا تھا جو اللہ اور ملائکہ کے تصور سے خالی الذہن ہوتا؟ ایک اور موقع پر فرعون اور حضرت موسیٰ کے درمیان یہ گفتگو ہوتی ہے:

......فَقَالَ لَهُ فِرْعَوْنُ إِنِّي لَأَظُنُّكَ يٰمُوسٰى مَسْحُورًا ○ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ أَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ إِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ بَصَآئِرَ وَإِنِّي لَأَظُنُّكَ يٰفِرْعَوْنُ مَثْبُورًا ○ (بنی اسرائیل:۱۰۱۔۱۰۲)

''پس فرعون نے اس سے کہا کہ اے موسیٰ میں تو سمجھتا ہوں کہ تیری عقل خبط ہو گئی ہے۔ موسیٰ نے جواب دیا تو خوب جانتا ہے کہ یہ بصیرت افروز نشانیاں ربِ زمین و آسمان کے سوا کسی اور کی نازل کی ہوئی نہیں ہیں۔ مگر میرا خیال ہے کہ اے فرعون تیری شامت ہی آ گئی ہے۔''

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ فرعونیوں کی قلبی حالت اس طرح بیان فرماتا ہے:

فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ اٰيٰتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ○ وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ أَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ط (النمل:۱۳۔۱۴)

''جب ہماری نشانیاں ان کے سامنے علانیہ نمایاں ہو گئیں تو انھوں نے کہا یہ صریح جادو ہے۔ ان کے دل اندر سے قائل ہو چکے تھے مگر انھوں نے محض شرارت اور تکبر و سرکشی کی بنا پر ماننے سے انکار کیا۔''

ایک اور مجلس کا نقشہ قرآن یوں کھینچتا ہے:

قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ۚ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى ○ فَتَنَازَعُوْٓا أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَأَسَرُّوا النَّجْوٰى ○ قَالُوْٓا إِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ أَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ أَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى ○ (طٰہٰ۔۶۱۔۶۳)

''موسیٰؑ نے ان سے کہا تم پر افسوس ہے۔ اللہ پر جھوٹ افترا نہ باندھو ورنہ وہ سخت عذاب سے تمھیں تباہ کر دے گا۔ اور افترا جس نے بھی باندھا ہے وہ نامراد ہو کر ہی رہا ہے۔ یہ سن کر لوگ آپس میں ردوکد کرنے لگے اور خفیہ مشورہ ہوا جس میں کہنے والوں نے کہا یہ دونوں (موسیٰ و ہارون) تو جادوگر ہیں۔

چاہتے ہیں کہ اپنے جادو کے زور سے تمھیں تمھاری سرزمین سے بے دخل کر دیں اور تمھارے مثالی (آئیڈل) طریقِ زندگی کو مٹا دیں۔"

ظاہر ہے کہ اللہ کے عذاب سے ڈرانے اور افترا کے انجام سے خبردار کرنے پر ان کے درمیان ردّوکد اسی لیے شروع ہوگئی تھی کہ ان لوگوں کے دلوں میں کہیں تھوڑا بہت اثر خدا کی عظمت اور اس کے خوف کا موجود تھا۔ لیکن جب ان کے قوم پرست حکم ران طبقہ نے سیاسی انقلاب کا خطرہ پیش کیا، اور کہا کہ موسیٰؑ اور ہارونؑ کی بات ماننے کا انجام یہ ہوگا کہ مصریت پھر اسرائیلیّت سے مغلوب ہو جائے گی تو ان کے دل پھر سخت ہو گئے اور سب نے بالاتفاق رسولوں کا مقابلہ کرنے کی ٹھان لی۔

اس حقیقت کے واضح ہو جانے کے بعد ہم بآسانی یہ تحقیق کر سکتے ہیں کہ حضرت موسیٰ اور فرعون کے درمیان اصل جھگڑا کس بات پر تھا، فرعون اور اس کی قوم کی حقیقی گم راہی کس نوعیت کی تھی، اور فرعون کس معنی میں الوہیت و ربوبیت کا مدعی تھا۔ اس غرض کے لیے قرآن کی حسب ذیل آیات ترتیب وار ملاحظہ کیجیے۔

۱۔ فرعون کے درباریوں میں سے جو لوگ حضرت موسیٰؑ کی دعوت کا استحصال کرنے پر زور دیتے تھے وہ ایک موقع پر فرعون کو خطاب کر کے کہتے ہیں:

أَتَذَرُ مُوسٰى وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِي الْأَرْضِ وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ط (الاعراف: ۱۲۷)

"کیا آپ موسیٰ اور اس کی قوم کو چھوڑ دیں گے کہ وہ ملک میں فساد پھیلائے اور آپ کے الٰہوں کو چھوڑ دے"۔

دوسری طرف انھی درباریوں میں سے جو شخص حضرت موسیٰؑ پر ایمان لے آیا تھا وہ ان لوگوں کو خطاب کر کے کہتا ہے۔"

تَدْعُوْنَنِيْ لِأَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَأُشْرِكَ بِهٖ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ۔ (المومن: ۴۲)

"تم مجھے اس طرف بلاتے ہو کہ مَیں اللہ سے کفر کروں اور اس کے ساتھ انھیں شریک کروں جن کے شریک ہونے کے لیے میرے پاس کوئی علمی ثبوت نہیں"

ان دونوں آیتوں کو جب ہم ان معلومات کے ساتھ ملا کر دیکھتے ہیں جو تاریخ و آثارِ قدیمہ کے ذریعہ سے ہمیں اس زمانہ کے اہلِ مصر کے متعلق حاصل ہوئی ہیں تو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ

فرعون خود بھی اور اس کی قوم کے لوگ بھی ربوبیت کے پہلے اور دوسرے معنی کے اعتبار سے بعض دیوتاؤں کو خدائی میں شریک ٹھہراتے تھے اور ان کی عبادت کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ اگر فرعون فوق الفطری معنوں میں خدا ہونے کا مدعی ہوتا، یعنی اگر اس کا دعوٰی یہی ہوتا کہ سلسلۂ اسباب پر وہ خود حکم ران ہے اور اس کے سوا زمین و آسمان کا الٰہ و رب کوئی نہیں ہے، تو وہ دوسرے الٰہوں کی پرستش نہ کرتا[1]۔

۲۔ فرعون کے یہ الفاظ جو قرآن میں نقل کیے گئے ہیں کہ:

یٰٓاَیُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرِیْ ۚ (القصص:۳۸)

''لوگو! مَیں تو اپنے سوا کسی الٰہ کو جانتا نہیں ہوں۔''

لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَیْرِیْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِیْنَ O (الشعرا:۲۹)

''اے موسیٰ! اگر میرے سوا تو نے کسی کو الٰہ بنایا تو میں تجھے قیدیوں میں شامل کردوں گا۔''

ان الفاظ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ فرعون اپنے سوا دوسرے تمام الٰہوں کی نفی کرتا تھا، بلکہ اس کی اصل غرض حضرت موسیٰ کی دعوت کو رد کرنا تھا۔ چوں کہ حضرت موسیٰؑ ایک ایسے الٰہ کی طرف بلا رہے تھے جو صرف فوق الفطری معنی ہی میں معبود نہیں ہے بلکہ سیاسی و تمدنی معنی میں امر و نہی کا مالک اور اقتدارِ اعلیٰ کا حامل بھی ہے، اس لیے اس نے اپنی قوم سے کہا کہ تمھارا ایسا الٰہ تو میرے سوا کوئی نہیں ہے، اور حضرت موسیٰ کو دھمکی دی کہ اس معنی میں میرے سوا کسی کو الٰہ بناؤ گے تو جیل کی ہوا کھاؤ گے۔

نیز قرآن کی ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے، اور تاریخ و آثارِ قدیمہ سے اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ فراعنۂ مصر محض حاکمیت مطلقہ (Absolute Sovereignty) ہی کے مدعی نہ

---

[1] بعض مفسرین نے محض اس مفروضہ پر کہ فرعون خود الٰہ العالمین ہونے کا دعوٰی رکھتا تھا، سورۂ اعراف کی مذکورہ متن آیت میں اِلٰهَتَكَ کی قرأت اختیار کی ہے اور الٰهة بمعنی عبادت لیا ہے۔ یعنی ان کی قرأت کے مطابق آیت کا ترجمہ یوں ہوگا کہ ''آپ کو اور آپ کی عبادت کو چھوڑ دے۔'' لیکن اول تو یہ قرأت شاذ ہے اور معروف قرأت کے خلاف ہے، دوسرے وہ مفروضہ ہی سرے سے بے بنیاد ہے جس پر یہ قرأت اختیار کی گئی ہے۔ تیسرے الٰهة کے معنی عبادت کے علاوہ معبودہ یا دیوی کے بھی ہو سکتے ہیں۔ سورج کے لیے عرب جاہلیت میں الٰهة ہی کا لفظ استعمال ہوتا تھا اور یہ معلوم ہے کہ بالعموم مصریوں کا صنمِ اکبر سورج تھا۔ سورج کو مصری زبان میں ''رَع'' کہتے تھے اور فرعون کا مفہوم ''رَع کی اولاد'' یا ''رَع کا اوتار'' تھا پس درحقیقت فرعون جس چیز کا مدعی تھا وہ صرف یہ تھی کہ میں سورج دیوتا کا جسمانی ظہور ہوں۔

تھے بلکہ دیوتاؤں سے اپنا رشتہ جوڑ کر ایک طرح کی قدوسیت کا بھی دعوٰی رکھتے تھے تا کہ رعایا کے قلب وروح پر ان کی گرفت خوب مضبوط ہو جائے۔ اس معاملہ میں تنہا فراعنہ ہی منفرد نہیں ہیں، دنیا کے اکثر ملکوں میں شاہی خاندانوں نے سیاسی حاکمیت کے علاوہ فوق الفطری الوہیّت وربوبیّت میں بھی کم وبیش حصہ بٹانے کی کوشش کی ہے اور رعیّت کے لیے لازم کیا ہے کہ وہ ان کے آگے عبودیّت کے کچھ نہ کچھ مراسم ادا کرے۔ لیکن دراصل یہ محض ایک ضمنی چیز ہے۔ اصل مقصد سیاسی حاکمیت کا استحکام ہوتا ہے اور اس کے لیے فوق الفطری الوہیّت کا دعویٰ محض ایک تدبیر کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ اسی لیے مصر میں اور دوسرے جاہلیت پرست ملکوں میں بھی ہمیشہ سیاسی زوال کے ساتھ ہی شاہی خاندانوں کی الوہیّت بھی ختم ہوتی رہی ہے۔ اور تخت جس جس کے پاس گیا ہے الوہیّت بھی اسی کی طرف منتقل ہوتی چلی گئی ہے۔

۳۔ فرعون کا اصلی دعوٰی فوق الفطری خدائی کا نہیں بلکہ سیاسی خدائی کا تھا۔ وہ ربوبیّت کے تیسرے چوتھے اور پانچویں معنی کے لحاظ سے کہتا تھا کہ مَیں سرزمینِ مصر اور اس کے باشندوں کا ربِّ اعلیٰ (Over-Lord) ہوں۔ اس ملک اور اس کے تمام وسائل وذرائع کا مالک میں ہوں۔ یہاں کی حاکمیتِ مطلقہ کا حق مجھی کو پہنچتا ہے یہاں کے تمدّن واجتماع کی اساس میری ہی مرکزی شخصیت ہے۔ یہاں قانون میرے سوا کسی اور کا نہ چلے گا۔ قرآن کے الفاظ میں اس کے دعویٰ کی بنیاد یہ تھی:

وَنَادٰی فِرْعَوْنُ فِیْ قَوْمِهٖ قَالَ یٰقَوْمِ اَلَیْسَ لِیْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِیْ ۚ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ○ (الزخرف۔۵۱)

''اور فرعون نے اپنی قوم میں منادی کی کہ اے قوم! کیا میں ملک مصر کا مالک نہیں ہوں؟ اور یہ نہریں میرے ماتحت نہیں چل رہی ہیں؟ کیا تم دیکھتے نہیں ہو؟''

یہ وہی بنیاد تھی جس پر نمرود کا دعوائے ربوبیت مبنی تھا (حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِیْ رَبِّهٖۤ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ) اور اسی بنیاد پر حضرت یوسفؑ کا ہم عصر بادشاہ بھی اپنے اہلِ ملک کا رب بنا ہوا تھا۔

۴۔ حضرت موسیٰ کی دعوت جس پر فرعون اور آلِ فرعون سے ان کا جھگڑا تھا، دراصل یہ تھی کہ رب العٰلمین کے سوا کسی معنی میں بھی کوئی دوسرا الٰہ اور رب نہیں ہے۔ وہی تنہا فوق الفطری معنی میں بھی الٰہ اور رب ہے، اور سیاسی واجتماعی معنی میں بھی۔ پرستش بھی اسی کی ہو، بندگی واطاعت بھی

اسی کی ، اور پیروی قانون بھی اسی کی۔ نیز یہ کہ صریح نشانیوں کے ساتھ اس نے مجھے اپنا نمایندہ مقرر کیا ہے، میرے ذریعہ سے وہ اپنے امر و نہی کے احکام دے گا، لہٰذا اس کے بندوں کی عنانِ اقتدار تمھارے ہاتھ میں نہیں، میرے ہاتھ میں ہونی چاہیے۔ اسی بنا پر فرعون اور اس کے اعیانِ حکومت بار بار کہتے تھے کہ یہ دونوں بھائی ہمیں زمین سے بے دخل کر کے خود قابض ہونا چاہتے ہیں اور ہمارے ملک کے نظامِ مذہب و تمدن کو مٹا کر اپنا نظام قائم کرنے کے درپے ہیں۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ۙ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَمَلَائِہٖ فَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ فِرْعَوْنَ وَمَآ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِیْدٍ (ہود۔۹۶۔۹۷)

''ہم نے موسیٰ کو اپنی آیات اور صریح نشانِ ماموریت کے ساتھ فرعون اور اس کے سردارانِ قوم کی طرف بھیجا تھا، مگر ان لوگوں نے فرعون کے امر کی پیروی کی۔ حالانکہ فرعون کا امر راستی پر نہ تھا۔''

وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَھُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَآءَھُمْ رَسُوْلٌ کَرِیْمٌ ۙ اَنْ اَدُّوْٓا اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰہِ ط اِنِّیْ لَکُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ۙ وَّاَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَی اللّٰہِ ج اِنِّیْٓ اٰتِیْکُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ (الدّخان:۱۷۔۱۹)

''اور ہم نے ان سے پہلے فرعون کی قوم کو آزمائش میں ڈالا تھا۔ ایک معزز رسول ان کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ اللہ کے بندوں کو میرے حوالے کرو۔ مَیں تمھارے لیے امانت دار رسول ہوں۔ اور اللہ کے مقابلہ میں سرکشی نہ کرو، مَیں تمھارے سامنے صریح نشانِ ماموریت پیش کرتا ہوں۔''

اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَیْکُمْ رَسُوْلًا ۙ شَاھِدًا عَلَیْکُمْ کَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا فَعَصٰی فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰہُ اَخْذًا وَّبِیْلًا (المزمل:۱۵۔۱۶)

''(اے اہلِ مکہ!) ہم نے تمھاری طرف ایک رسولؐ بھیجا ہے جو تم پر گواہی دینے والا ہے، اسی طرح جیسے ہم نے فرعون کی طرف رسول بھیجا تھا۔ پھر فرعون نے اس رسول کی نافرمانی کی تو ہم نے اسے سختی کے ساتھ پکڑا۔''

قَالَ فَمَنْ رَّبُّکُمَا یٰمُوْسٰی قَالَ رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَہٗ ثُمَّ ھَدٰی (طٰہٰ:۴۹۔۵۰)

''فرعون نے کہا اے موسیٰ (اگر تم نہ دیوتاؤں کو رب مانتے ہو نہ شاہی خاندان کو) تو آخر تمھارا رب کون ہے؟ موسیٰؑ نے جواب دیا، ہمارا رب وہی ہے جس نے ہر چیز کو اس کی مخصوص ساخت عطا کی، پھر اسے اس کے کام کرنے کا طریقہ بتایا۔''

قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَارَبُّ الْعٰلَمِیْنَo قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَھُمَاط اِنْ کُنْتُمْ مُّوْقِنِیْنَo قَالَ لِمَنْ حَوْلَہٗٓ اَلَا تَسْتَمِعُوْنَo قَالَ رَبُّکُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِکُمُ الْاَوَّلِیْنَo قَالَ اِنَّ رَسُوْلَکُمُ الَّذِیْٓ اُرْسِلَ اِلَیْکُمْ لَمَجْنُوْنٌo قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَیْنَھُمَاط اِنْ کُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَo قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰھًا غَیْرِیْ لَاَجْعَلَنَّکَ مِنَ الْمَسْجُوْنِیْنَo (الشعرا:۲۳۔۲۹)

''فرعون نے کہا اور یہ ربّ العٰلمین کیا ہے؟ موسیٰ نے جواب دیا زمین و آسمان اور ہر اس چیز کا ربّ جو ان کے درمیان ہے اگر تم یقین کرنے والے ہو۔ فرعون اپنے گرد و پیش کے لوگوں سے بولا، سنتے ہو؟ موسیٰؑ نے کہا تمھارا رب بھی اور تمھارے آباؤ اجداد کا رب بھی۔ فرعون بولا تمھارے یہ رسول صاحب جو تمھاری طرف بھیجے گئے ہیں، بالکل ہی پاگل ہیں۔ موسیٰؑ نے کہا مشرق اور مغرب اور ہر اس چیز کا رب جو ان کے درمیان ہے اگر تم کچھ عقل رکھتے ہو۔ اس پر فرعون بول اٹھا کہ اگر میرے سوا تو نے کسی اور کو الٰہ بنایا تو میں تجھے قیدیوں میں شامل کر دوں گا۔''

قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِکَ یٰمُوْسٰیo (طٰہٰ:۵۷)

''فرعون نے کہا اے موسیٰ! کیا تو اس لیے آیا ہے کہ اپنے جادو کے زور سے ہمیں ہماری زمین سے بے دخل کر دے؟''

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِیْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰی وَلْیَدْعُ رَبَّہٗ ج اِنِّیْٓ اَخَافُ اَنْ یُّبَدِّلَ دِیْنَکُمْ اَوْ اَنْ یُّظْھِرَ فِی الْاَرْضِ الْفَسَادَo (المومن:۲۶)

''اور فرعون نے کہا چھوڑو مجھے کہ میں موسیٰؑ کو قتل کر دوں اور وہ اپنے رب کو مدد

کے لیے پکار دیکھے۔ مجھے خطرہ ہے کہ وہ تمھارے دین کو بدل ڈالے گا یا ملک میں فساد برپا کرے گا۔"

قَالُوْٓا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى ○ (طٰہٰ:۶۳)

"انھوں نے کہا کہ یہ دونوں تو جادوگر ہیں۔ چاہتے ہیں کہ اپنے جادو کے زور سے تم کو تمھاری زمین سے بے دخل کریں اور تمھارے مثالی طریقِ زندگی کو مٹا دیں"

ان تمام آیات کو ترتیب وار دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ربوبیت کے باب میں وہی ایک گم راہی جو ابتدا سے دنیا کی مختلف قوموں میں چلی آ رہی تھی ارضِ نیل میں بھی ساری ظلمت اسی کی تھی اور وہی ایک دعوت جو ابتدا سے تمام انبیاد یتے چلے آ رہے تھے، موسیٰ و ہارون علیہما السلام بھی اُسی کی طرف بلاتے تھے۔

یہود و نصاریٰ

قومِ فرعون کے بعد ہمارے سامنے بنی اسرائیل اور وہ دوسری قومیں آتی ہیں جنھوں نے یہودیّت اور عیسائیت اختیار کی۔ ان کے متعلق یہ تو گمان بھی نہیں کیا جا سکتا کہ یہ لوگ اللہ کی ہستی کے منکر ہوں گے یا اسے الٰہ اور رب نہ مانتے ہوں گے۔ اس لیے خود قرآن نے ان کے اہلِ کتاب ہونے کی تصدیق کی ہے پھر سوال یہ ہے کہ ربوبیت کے باب میں ان کے عقیدے اور طرزِ عمل کی وہ کون سی خاص غلطی ہے؟ جس کی بِنا پر قرآن نے ان لوگوں کو گم راہ قرار دیا ہے اس کا مجمل جواب خود قرآن ہی سے ملتا ہے:

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ○
(المائدہ:۷۷)

"کہو اے اہلِ کتاب! اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو، اور ان قوموں کے فاسد خیالات کی پیروی نہ کرو جو تم سے پہلے گم راہ ہو چکی ہیں، جنھوں نے بہتوں کو گم راہی میں مبتلا کیا اور خود بھی راہِ راست سے بھٹک گئیں۔"

اس سے معلوم ہوا کہ یہودی اور عیسائی قوموں کی گم راہی بھی اصلاً اسی نوعیت کی ہے جس میں ان سے پہلے کی قومیں ابتدا سے مبتلا ہوتی چلی آئی ہیں۔ نیز اس سے یہ بھی پتا چل گیا کہ یہ گم راہی ان کے اندر غلو فی الدین کے راستہ سے آئی ہے۔ اب دیکھیے کہ اس اجمال کی تفصیل قرآن کس طرح کرتا ہے:

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرُنِ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللّٰهِ ط

(التوبہ:۳۰)

''یہودیوں نے کہا کہ عُزیر اللہ کا بیٹا ہے، اور نصارٰی نے کہا کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے''

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ط وَقَالَ الْمَسِيحُ يٰبَنِيٓ اِسْرَآئِيلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ۔ (المائدہ:۷۲)

''کفر کیا ان عیسائیوں نے جنھوں نے کہا کہ اللہ مسیح ابن مریم ہی ہے۔ حالانکہ مسیح نے کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل اللہ کی بندگی کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمھارا بھی۔''

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ م وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ط

(المائدہ:۷۳)

''کفر کیا ان لوگوں نے جنہوں نے کہا کہ اللہ تین میں کا ایک ہے۔ حالانکہ ایک الٰہ کے سوا کوئی دوسرا الٰہ ہے ہی نہیں''

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُونِ اللّٰهِ ط قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُونُ لِيٓ اَنْ اَقُولَ مَا لَيْسَ لِي بِحَقٍّ ط (المائدہ:۱۱۶)

''اور جب اللہ پوچھے گا کہ اے مریم کے بیٹے عیسیٰ! کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کے سوا مجھے اور میری ماں کو بھی الٰہ بنا لو، تو وہ جواب میں عرض کریں گے کہ سبحان اللہ میری کیا مجال تھی کہ میں وہ بات کہتا کہ جس کے کہنے کا مجھے کوئی حق نہ تھا۔''

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ○ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ط اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ○

(آلِ عمران:۷۹۔۸۰)

''کسی انسان کا یہ کام نہیں ہے کہ اللہ تو اسے کتاب اور حکم اور نبوت سے سرفراز کرے اور پھر وہ لوگوں سے یہ کہے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ، بلکہ وہ تو یہی کہے گا کہ ربّانی (خدا پرست) بنو۔ جس طرح تم خدا کی کتاب میں پڑھتے پڑھاتے ہو اور جس کے درس دیا کرتے ہو۔ اور نہ نبی کا یہ کام ہے کہ وہ تمھیں یہ حکم دے کہ ملائکہ اور پیغمبروں کو رب بنالو۔ کیا وہ تمھیں کفر کی تعلیم دے گا جب کہ تم مسلمان ہو چکے ہو۔''

ان آیات کی رُو سے اہل کتاب کی پہلی گم راہی یہ تھی کہ جو بزرگ ہستیاں..... انبیا، اولیا اور ملائکہ وغیرہ..... دینی حیثیت سے قدر و منزلت کی مستحق تھیں، انھیں انھوں نے ان کے حقیقی مرتبہ سے بڑھا کر خدائی کے مرتبہ میں پہنچا دیا، کاروبارِ خداوندی میں انھیں دخیل و شریک ٹھہرایا، ان کی پرستش کی، ان سے دعائیں مانگیں۔ انھیں فوق الفطری ربوبیت اور اُلوہیّت میں حصہ دار سمجھا، اور یہ گمان کیا کہ وہ بخشش اور مددگاری اور نگاہ بانی کے اختیارات رکھتی ہیں۔

اس کے بعد ان کی دوسری گم راہی یہ تھی کہ:

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ (التوبہ:۳۱)

''انھوں نے اللہ کے سوا اپنے علما اور مشائخ کو بھی اپنا رب بنالیا۔''

یعنی نظامِ دینی میں جن لوگوں کی حیثیت صرف یہ تھی کہ خدا کی شریعت کے احکام بتائیں اور خدا کی مرضی کے مطابق اخلاق کی اصلاح کریں، انھیں رفتہ رفتہ یہ حیثیت دے دی کہ باختیارِ خود جس چیز کو چاہیں حرام اور جسے چاہیں حلال ٹھہرا دیں اور کتابِ الٰہی کی سند کے بغیر جو حکم چاہیں دیں، جس چیز سے چاہیں منع کر دیں اور جو سنت چاہیں جاری کریں۔ اس طرح یہ لوگ انھی دو

عظیم الشان بنیادی گم راہیوں میں مبتلا ہو گئے جن میں قومِ نوحؑ ،قومِ ابراہیمؑ ، عاد، ثمود، اہلِ مدین اور دُوسری قومیں مبتلا ہوئی تھیں ۔ان کی طرح انھوں نے بھی فوق الطبعی ربوبیت میں فرشتوں اور بزرگوں کو اللہ کا شریک بنایا۔ اور انھی کی طرح انھوں نے تمدنی وسیاسی ربوبیت اللہ کے بجائے انسانوں کو دی اور اپنے تمدن، معاشرت، اخلاق اور سیاست کے اصول واحکام اللہ کی سند سے بے نیاز ہو کر انسانوں سے لینا شروع کر دیے حتّٰی کہ نوبت یہاں تک پہنچی کہ:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ۔ (النسا:۵۱)

''تم نے دیکھا ان لوگوں کو جنھیں کتاب اللہ کا ایک حصہ ملا ہے اور ان کی حالت یہ ہے کہ جبت اور طاغوت کو مان رہے ہیں۔''

قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَاللّٰهِ ط مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ط اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ o (المائدۃ:۶۰)

''کہو! مَیں تمھیں بتاؤں اللہ کے نزدیک فاسقین سے بھی زیادہ بدتر انجام کس کا ہے؟ وہ جن پر اللہ نے لعنت کی، جن پر اُس کا غضب ٹوٹا، جن میں بہت سے لوگ اس کے حکم سے بندر اور سؤر تک بنائے گئے اور انھوں نے طاغوت کی بندگی کی، وہ سب سے بدتر درجہ کے لوگ ہیں اور راہِ راست سے بہت زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں۔''

''جبت'' کا لفظ تمام اوہام وخرافات کے لیے جامع لفظ ہے جس میں جادو، ٹونے، ٹوٹکے، کہانت، فال گیری، سعد ونحس کے تصورات، غیر فطری تاثیرات، غرض جملہ اقسام کے توہمات شامل ہیں۔ اور ''طاغوت'' سے مراد ہر وہ شخص یا گروہ یا ادارہ ہے جس نے خدا کے مقابلہ میں سرکشی اختیار کی ہو، اور بندگی کی حد سے تجاوز کر کے خداوندی کا علم بلند کیا ہو۔ پس یہود ونصاریٰ جب مذکورہ بالا دو قسم کی گم راہیوں میں پڑ گئے تو پہلی قسم کی گم راہی کا نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ ہر قسم کے توہمات نے ان کے دلوں اور دماغوں پر قبضہ کر لیا، اور دوسری گم راہی نے انھیں علما ومشائخ اور زہاد وصوفیہ کی بندگی

سے بڑھا کر ان جباروں اور ظالموں کی بندگی واطاعت تک پہنچا دیا جو کھلم کھلا خدا سے باغی تھے۔

مشرکینِ عرب

اب دیکھنا چاہیے کہ وہ عرب کے مشرکین جن کی طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے، اور جو قرآن کے اوّلین مخاطب تھے، اس باب میں ان کی گم راہی کس نوعیت کی تھی؟ کیا وہ اللہ سے ناواقف تھے یا اس کی ہستی کے منکر تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس لیے بھیجے گئے تھے کہ انھیں وجودِ باری کا معترف بنائیں؟ کیا وہ اللہ کو الٰہ اور رب نہیں مانتے تھے اور قرآن اس لیے نازل ہوا تھا کہ انھیں حق جلّ شانہٗ کی الٰہیّت و ربوبیت کا قائل کرے؟ کیا انھیں اللہ کی عبادت و پرستش سے انکار تھا؟ یا وہ اللہ کو دعائیں سننے والا اور حاجتیں پوری کرنے والا نہیں سمجھتے تھے؟ کیا ان کا خیال یہ تھا کہ لاتؔ اور منات اور عُزّیٰ اور ہُبلؔ اور دوسرے معبود ہی اصل میں کائنات کے خالق، مالک، رازق، اور مدبر و منتظم ہیں؟ یا وہ اپنے ان معبودوں کو قانون کا منبع اور اخلاق وتمدن کے مسائل میں ہدایت وراہ نُمائی کا سرچشمہ مانتے تھے؟ ان میں سے ایک ایک سوال کا جواب ہمیں قرآن سے نفی کی صورت میں ملتا ہے۔ وہ ہمیں بتاتا ہے کہ عرب کے مشرکین نہ صرف یہ کہ اللہ کی ہستی کے قائل تھے، بلکہ اسے تمام کائنات کا اور خود اپنے معبودوں تک کا خالق، مالک اور خداوندِ اعلیٰ مانتے تھے اسے رَبّ اور الٰہ تسلیم کرتے تھے۔ مشکلات اور مصائب میں آخری اپیل وہ جس سرکار میں کرتے تھے وہ اللہ ہی کی سرکار تھی۔ انھیں الٰہ کی عبادت و پرستش سے بھی انکار نہ تھا۔ ان کا عقیدہ اپنے دیوتاؤں اور معبودوں کے بارے میں نہ تو یہ تھا کہ وہ ان کے اور کائنات کے خالق ورازق ہیں اور نہ یہ کہ یہ معبود زندگی کے تمدنی واخلاقی مسائل میں ہدایت وراہ نُمائی کرتے ہیں۔ چنانچہ ذیل کی آیات اس پر شاہد ہیں:

قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِیْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ○ سَیَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ○ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ○ سَیَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ○ قُلْ مَنْ ۢ بِیَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ وَّهُوَ یُجِیْرُ وَلَا یُجَارُ عَلَیْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ○ سَیَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ○ بَلْ اَتَیْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ○ (المومنون:۸۴۔۹۰)

''اے نبیؐ! ان سے کہو، زمین اور جو کچھ زمین میں ہے وہ کس کی مِلک ہے؟ بتاؤ اگر تم جانتے ہو؟ وہ کہیں گے کہ اللہ کی ملک ہے۔ کہو پھر بھی تم نصیحت قبول نہیں کرتے؟ کہو، ساتوں آسمانوں اور عرشِ عظیم کا رب کون ہے؟ وہ کہیں گے اللہ۔ کہو پھر بھی تم نہیں ڈرتے؟ کہو ہر چیز کے شاہانہ اختیارات کس کے ہاتھ میں ہیں؟ اور وہ کون ہے جو پناہ دیتا ہے مگر اس کے مقابلہ میں پناہ دینے کی طاقت کسی میں نہیں بتاؤ اگر تم جانتے ہو؟ وہ کہیں گے یہ صفت اللہ ہی کی ہے۔ کہو پھر کہاں سے تمھیں دھوکا لگتا ہے؟ حق یہ ہے کہ ہم نے صداقت ان کے سامنے پیش کردی ہے اور یہ لوگ یقیناً جھوٹے ہیں۔''

هُوَالَّذِیْ یُسَیِّرُکُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ط حَتّٰٓی اِذَا کُنْتُمْ فِی الْفُلْكِ ج وَجَرَیْنَ بِهِمْ بِرِیْحٍ طَیِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِیْحٌ عَاصِفٌ وَّجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ کُلِّ مَکَانٍ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اُحِیْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ج لَئِنْ اَنْجَیْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَکُوْنَنَّ مِنَ الشّٰکِرِیْنَ o فَلَمَّآ اَنْجٰهُمْ اِذَا هُمْ یَبْغُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ ط (یونس:۲۲۔۲۳)

''وہ اللہ ہی ہے جو تمھیں خشکی اور تری میں چلاتا ہے حتّٰی کہ جس وقت تم کشتی میں سوار ہو کر بادِ موافق پر فرحاں وشاداں سفر کر رہے ہوتے ہو اور پھر یکا یک بادِ مخالف کا زور ہوتا ہے اور ہر طرف سے موجوں کے تھپیڑے لگتے ہیں اور تم سمجھتے ہو کہ طوفان میں گھر گئے اُس وقت سب اللہ ہی کو پکارتے ہیں اور اسی کے لیے اپنے دین کو خالص کر کے دعائیں مانگتے ہیں کہ اگر تو نے اس بلا سے ہمیں بچا لیا تو ہم تیرے شکر گزار بندے بنیں گے، مگر جب وہ انھیں بچا لیتا ہے تو پھر وہی لوگ حق سے منحرف ہو کر زمین میں بغاوت کرنے لگتے ہیں۔''

وَاِذَا مَسَّکُمُ الضُّرُّ فِی الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِیَّاهُ ج فَلَمَّا نَجّٰکُمْ اِلَی الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ط وَکَانَ الْاِنْسَانُ کَفُوْرًا o (بنی اسرائیل:۶۷)

''جب سمندر میں تم پر کوئی آفت آتی ہے تو اس ایک رب کے سوا اور جن جن کو تم پکارتے ہو وہ سب گم ہو جاتے ہیں مگر جب وہ تمھیں بچا کر خشکی پر پہنچا دیتا

ہے تو تم اس سے پھر جاتے ہو۔ سچ یہ ہے کہ انسان بڑا ناشکرا ہے۔''

اپنے معبودوں کے متعلق ان کے جو خیالات تھے وہ خود انھی کے الفاظ میں قران اس طرح نقل کرتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ؕ (الزمر:۳)

''جن لوگوں نے اللہ کے سوا دُوسرے ولی اور کارساز ٹھہرار کھے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم ان کی عبادت اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ سے قریب کر دیں''

وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ (یونس:۱۸)

''اور وہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے حضور میں ہمارے سفارشی ہیں۔''

پھر وہ اپنے معبودوں کے بارے میں اس قسم کا بھی کوئی گمان نہ رکھتے تھے کہ وہ مسائل زندگی میں ہدایت بخشنے والے ہیں۔ چنانچہ سورۂ یونس میں اللہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیتا ہے کہ:

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ۔ (یونس:۳۵)

''ان سے پوچھو، تمھارے ٹھہرائے ہوئے ان شریکوں میں سے کوئی حق کی طرف راہ نُمائی کرنے والا بھی ہے۔''

لیکن یہ سوال سن کر ان پر سکوت چھا جاتا ہے ان میں سے کوئی یہ جواب نہیں دیتا کہ ہاں لات یا منات یا عزّٰی یا دوسرے معبود ہمیں فکر و عمل کی صحیح راہیں بتاتے ہیں اور وہ دنیا کی زندگی میں عدل اور سلامتی اور امن کے اُصول ہمیں سکھاتے ہیں اور ان کے سرچشمۂ علم سے ہمیں کائنات کے بنیادی حقائق کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ تب اللہ اپنے نبیؐ سے فرماتا ہے:

قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ؕ اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ ۫ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ۝ (یونس:۳۵)

''کہو، مگر اللہ حق کی طرف راہ نُمائی کرتا ہے، پھر بتاؤ کون اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ اس کی پیروی کی جائے؟ وہ جو حق کی طرف راہ نُمائی کرتا ہے، یا وہ جو خود ہدایت نہیں پاتا الاّ یہ کہ اس کی راہ نُمائی کی جائے؟ تمھیں کیا ہو گیا ہے، کیسے فیصلے کر رہے ہو؟''

ان تصریحات کے بعد اب یہ سوال حل طلب رہ جاتا ہے کہ ربوبیت کے باب میں ان کی وہ اصل گم راہی کیا تھی؟ جس کی اصلاح کرنے کے لیے اللہ نے اپنے نبی کو بھیجا اور کتاب نازل کی۔ اس سوال کی تحقیق کے لیے جب ہم قرآن میں نظر کرتے ہیں تو ان کے عقائد و اعمال میں بھی ہمیں انھی دو بنیادی گم راہیوں کا سراغ ملتا ہے جو قدیم سے تمام گم راہ قوموں میں پائی جاتی رہی ہیں، یعنی:

ایک طرف فوق الطبعی ربوبیت والٰہیت میں وہ اللہ کے ساتھ دوسرے الٰہوں اور ارباب کو شریک ٹھہراتے تھے، اور یہ سمجھتے تھے کہ سلسلۂ اسباب پر جو حکومت کارفرما ہے اس کے اختیارات واقتدارات میں کسی نہ کسی طور پر ملائکہ اور بزرگ انسان اور اجرامِ فلکی وغیرہ بھی دخل رکھتے ہیں اسی بنا پر دعا اور استعانت اور مراسمِ عبودیت میں وہ صرف اللہ کی طرف رجوع نہیں کرتے تھے بلکہ ان بناوٹی خداؤں کی طرف بھی رجوع کیا کرتے تھے۔

دُوسری طرف تمدنی وسیاسی ربوبیت کے باب میں ان کا ذہن اس تصور سے بالکل خالی تھا کہ اللہ اس معنی میں بھی رب ہے، اس معنی میں وہ اپنے مذہبی پیشواؤں، اپنے سرداروں اور اپنے خاندان کے بزرگوں کو رب بنائے ہوئے تھے اور انھی سے اپنی زندگی کے قوانین لیتے تھے۔

چنانچہ پہلی گم راہی کے متعلق قرآن یہ شہادت دیتا ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ِۨ اطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ِۨ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ○ يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ○ يَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗٓ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ۭ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ○ (الحج:۱۱۔۱۳)

''انسانوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو خدا پرستی کی سرحد پر کھڑا ہو کر اللہ کی عبادت کرتا ہے۔ فائدہ ہوا تو مطمئن ہو گیا اور جو کوئی تکلیف پہنچ گئی تو اُلٹا پھر گیا۔ یہ شخص دنیا اور آخرت دونوں میں خسارہ اُٹھانے والا ہے۔ وہ اللہ سے پھر کر انھیں پکارنے لگتا ہے جو نہ اسے نقصان پہنچانے کی طاقت رکھتے ہیں اور نہ فائدہ پہنچانے کی۔ یہی بڑی گم راہی ہے۔ وہ مدد کے لیے انھیں پکارتا ہے جنھیں پکارنے کا نقصان بہ نسبت نفع کے زیادہ قریب ہے کیسا بُرا مولیٰ ہے اور

کیسا برا ساتھی ہے۔"

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَالَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَاللّٰهِ ط قُلْ اَتُنَبِّئُوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ط سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○ (یونس:۱۸)

"یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر اُن کی عبادت کرتے ہیں جو نہ نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان اور کہتے ہیں کہ وہ اللہ کے حضور ہمارے سفارشی ہیں، کہو (اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم!) کیا تم اللہ کو اس بات کی خبر دیتے ہو جو اس کے علم میں نہ آسمانوں میں ہے نہ زمین[1] میں؟ اللہ پاک ہے اس شرک سے جو یہ کرتے ہیں۔"

قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ط (حٰمٓ السجدۃ:۹)

"اے نبیؐ! ان سے کہو، کیا واقعی تم اُس خدا سے جس نے دو دن میں زمین کو پیدا کر دیا کفر کرتے ہو اور دوسروں کو اس کا ہم سَر اور مدِّ مقابل بناتے ہو۔"

قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَالَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ط وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○ (المائدہ:۷۶)

"کہو، کیا تم اللہ کو چھوڑ کر اُن کی عبادت کرتے ہو جو نہ تمھارے لیے نقصان کا کچھ اختیار رکھتے ہیں نہ فائدے کا؟ حالانکہ سننے اور جاننے والا تو اللہ ہی ہے"

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوْٓا اِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ط (الزمر:۸)

"اور جب انسان پر کوئی مصیبت پڑتی ہے تو یک سُو ہو کر اپنے رب ہی کو پکارتا ہے، مگر جب وہ اپنی نعمت سے اسے سرفراز کرتا ہے تو یہ اس مصیبت کو بھول

---

[1] یعنی تم اس خیالِ خام میں مبتلا ہو کہ تمہارے ان معبودوں کا میرے ہاں ایسا زور چلتا ہے کہ جو سفارش یہ مجھ سے کر دیں وہ بس قبول ہو کر رہتی ہے، اور اسی لیے تم ان کے آستانوں پر پیشانیاں رگڑتے اور نذریں چڑھاتے ہو۔ مگر میں تو آسمانوں اور زمین میں کسی ایسی ہستی کو نہیں جانتا جو میرے دربار میں اتنی زور آور ہو یا مجھے ایسی محبوب ہو کہ میں اس کی سفارش قبول کرنے پر مجبور ہو جاؤں پھر کیا تم مجھے ان سفارشیوں کی خبر دے رہے ہو جنہیں میں خود نہیں جانتا؟ ظاہر ہے کسی چیز کا اللہ کے علم میں نہ ہونا یہ معنی رکھتا ہے کہ اس چیز کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں ہے۔

جاتا ہے جس میں مدد کے لیے اس سے پہلے اللہ کو پکار رہا تھا اور اللہ کے ہم سَر ٹھہرانے لگتا ہے[1] تا کہ یہ حرکت اسے اللہ کے راستہ سے بھٹکا دے۔"

وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْئَرُوْنَ ۝ ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ۝ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ط فَتَمَتَّعُوْا قف فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ وَيَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ ط تَاللّٰهِ لَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ۝ (النحل:۵۳:۵۶)

"تمھیں جو نعمت بھی حاصل ہے اللہ کی بخشش سے حاصل ہے۔ جب تم پر کوئی مصیبت آتی ہے تو اللہ ہی کی طرف فریاد لے کر تم جاتے ہو، مگر جب وہ اس مصیبت کو تم پر سے ٹال دیتا ہے تو تم میں سے کچھ لوگ ہیں جو (اس مشکل کشائی میں) دوسروں کو شریک ٹھہرانے لگتے ہیں تا کہ ہمارے احسان کا جواب احسان فراموشی سے دیں۔ اچھا مزے کر لو۔ عن قریب تمھیں اس کا انجام معلوم ہو جائے گا۔ یہ لوگ جنھیں نہیں جانتے ان کے لیے ہمارے دیے ہوئے رزق میں سے حصے[2] مقرر کرتے ہیں۔ خدا کی قسم جو افترا پردازیاں تم کرتے ہو ان کی باز پرس تم سے ہو کر رہے گی۔"

رہی دُوسری گم راہی تو اس کے متعلق قرآن کی شہادت یہ ہے:

وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ط (الانعام:۱۳۷)

"اور اسی طرح بہت سے مشرکین کے لیے ان کے بنائے ہوئے شریکوں نے اپنی اولاد کا قتل پسندیدہ بنا دیا تا کہ انھیں ہلاکت میں مبتلا کریں اور ان کے دین کو ان کے لیے مشتبہ بنا دیں۔"

ظاہر ہے کہ یہاں "شریکوں" سے مراد بت اور دیوتا نہیں ہیں بلکہ وہ پیشوا اور راہ نُما ہیں

[1] اللہ کے ہم سَر ٹھہرانے لگتا ہے۔ یعنی یہ کہنے لگتا ہے کہ یہ مصیبت فلاں بزرگ کی برکت سے ٹلی اور یہ نعمت فلاں حضرت کی عنایت سے نصیب ہوئی۔

[2] یعنی جن کے متعلق انہیں ہرگز کسی ذریعۂ علم سے یہ تحقیق نہیں ہوا ہے کہ مصیبت کے ٹالنے والے اور مشکل کو آسان کرنے والے وہ تھے، ان کے لیے شکرانے کے طور پر چڑھاوے اور نذریں اور نیازیں نکالتے ہیں اور لطف یہ ہے کہ ہمارے دیے ہوئے رزق سے نکالتے ہیں۔

جنھوں نے قتلِ اولاد کو اہلِ عرب کی نگاہ میں ایک بھلائی اور خوبی کا کام بنایا اور حضرت ابراہیمؑ واسماعیلؑ کے دین میں اس رسمِ قبیح کی آمیزش کر دی۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ خدا کے ''شریک'' اس معنی میں قرار نہیں دیے گئے تھے کہ اہلِ عرب انھیں سلسلۂ اسباب پر حکم ران سمجھتے تھے یا ان کی پرستش کرتے اور ان سے دعائیں مانگتے تھے، بلکہ انھیں ربوبیت والٰہیت میں شریک اس لحاظ سے ٹھہرایا گیا تھا کہ اہلِ عرب ان کے اس حق کو تسلیم کرتے تھے کہ تمدنی ومعاشرتی مسائل اور اخلاقی ومذہبی اُمور میں وہ جیسے چاہیں قوانین مقرر کر دیں۔

اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ (الشوریٰ:۲۱)

''کیا یہ ایسے شریک بنائے بیٹھے ہیں جنھوں نے ان کے لیے دین کی قسم سے وہ قانون بنا دیا جس کا اللہ نے کوئی اِذن نہیں دیا ہے۔''

لفظ ''دین'' کی تشریح آگے چل کر بیان ہوگی اور وہیں اس آیت کے مفہوم کی وسعت بھی پوری طرح واضح ہو سکے گی، لیکن یہاں کم از کم یہ بات تو صاف معلوم ہو جاتی ہے کہ اللہ کی اجازت کے بغیر ان کے پیشواؤں اور سرداروں کا ایسے ضابطے اور قاعدے مقرر کرنا جو ''دین'' کی نوعیت رکھتے ہوں اور اہلِ عرب کا ان ضابطوں اور قاعدوں کو واجب التقلید مان لینا یہی ربوبیت والٰہیت میں ان کا خدا کے ساتھ شریک بننا اور یہی اہلِ عرب کا ان کی شرکت کو تسلیم کر لینا تھا۔

قرآن کی دعوت

گم راہ قوموں کے تخیّلات کی یہ تحقیق جو پچھلے صفحات میں کی گئی ہے۔ اس حقیقت کو بالکل بے نقاب کر دیتی ہے کہ قدیم ترین زمانہ سے لے کر زمانۂ نزولِ قرآن تک جتنی قوموں کا ذکر قرآن نے ظالم، فاسد العقیدہ اور بدراہ ہونے کی حیثیت سے کیا ہے، ان میں سے کوئی بھی خدا کی ہستی کی منکر نہ تھی، نہ کسی کو اللہ کے مطلقاً رب اور الٰہ ہونے سے انکار تھا، البتہ ان سب کی اصل گم راہی اور مشترک گم راہی یہ تھی کہ انھوں نے ربوبیت کے اُن پانچ مفہومات کو جو ہم ابتدا میں لغت اور قرآن کی شہادتوں سے متعین کر چکے ہیں، دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔

ربّ کا یہ مفہوم کہ وہ فوق الفطری طور پر مخلوقات کی پرورش، خبر گیری، حاجت روائی اور نگاہ بانی کا کفیل ہوتا ہے، ان کی نگاہ میں ایک الگ نوعیت رکھتا تھا، اور اس مفہوم کے اعتبار سے وہ اگر چہ ربِّ

اعلیٰ تو اللہ ہی کو مانتے تھے، مگر اس کے ساتھ فرشتوں اور دیوتاؤں کو، جنوں کو، غیر مرئی قوتوں کو، ستاروں اور سیاروں کو، انبیا اور اولیا اور روحانی پیشواؤں کو بھی ربوبیت میں شریک ٹھہراتے تھے۔

اور ربّ کا یہ مفہوم کہ وہ امر و نہی کا مختار، اقتدارِ اعلیٰ کا مالک، ہدایت و راہ نُمائی کا منبع، قانون کا ماخذ، مملکت کا رئیس اور اجتماع کا مرکز ہوتا ہے، ان کے نزدیک بالکل ہی ایک دوسری حیثیت رکھتا تھا اور اس مفہوم کے اعتبار سے وہ یا تو اللہ کی بجائے صرف انسانوں کو رب مانتے تھے یا نظریے کی حد تک اللہ کو رب ماننے کے بعد عملاً انسانوں کی اخلاقی و تمدنی اور سیاسی ربوبیت کے آگے سرِ اطاعت خم کیے دیتے تھے۔

اسی گم راہی کو دور کرنے کے لیے ابتدا سے انبیا علیہم السلام آتے رہے ہیں اور اسی کے لیے آخر کار محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی۔ ان سب کی دعوت یہ تھی کہ ان تمام مفہومات کے اعتبار سے رب ایک ہی ہے اور وہ اللہ جل شانہ ہے۔ ربوبیت نا قابلِ تقسیم ہے۔ اس کا کوئی جز کسی معنی میں بھی کسی دوسرے کو حاصل نہیں ہے۔ کائنات کا نظام ایک کامل مرکزی نظام ہے جسے ایک ہی خدا نے پیدا کیا۔ جس پر ایک خدا فرماں روائی کر رہا ہے، جس کے سارے اختیارات و اقتدارات کا مالک ہی خدا ہے۔ نہ اس نظام کے پیدا کرنے میں کسی دوسرے کا کچھ دخل ہے، نہ اس کی تدبیر و انتظام میں کوئی شریک ہے، اور نہ اس کی فرماں روائی میں کوئی حصہ دار ہے۔ مرکزی اقتدار کا مالک ہونے کی حیثیت سے وہی اکیلا خدا تمھارا فوق الفطری رب بھی ہے اور اخلاقی و تمدنی اور سیاسی رب بھی۔ وہی تمھارا معبود ہے۔ وہی تمھارے سجدوں اور رکوعوں کا مرجع ہے۔ وہی تمھاری دعاؤں کا ملجا و ماوٰی ہے۔ وہی تمھارے توکل و اعتماد کا سہارا ہے۔ وہی تمھاری ضرورتوں کا کفیل ہے اور اسی طرح وہی بادشاہ ہے۔ وہی مالک الملک ہے۔ وہی شارع و قانون ساز اور امر و نہی کا مختار بھی ہے۔ ربوبیت کی یہ دونوں حیثیتیں جنھیں جاہلیت کی وجہ سے تم نے ایک دوسرے سے الگ ٹھہرا لیا ہے، حقیقت میں خدائی لازمہ اور خدا کے خدا ہونے کا خاصہ ہیں۔ انھیں نہ ایک دُوسرے سے منفک کیا جا سکتا ہے، اور نہ ان میں سے کسی حیثیت میں بھی مخلوقات کو خدا کا شریک ٹھہرنا دُرست ہے۔

اس دعوت کو قرآن جس طریقہ سے پیش کرتا ہے وہ خود اسی کی زبان سے سنیے:

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ قف یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ یَطْلُبُهٗ حَثِیْثًا لا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍ م بِاَمْرِهٖ ط اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ط تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ○ (الاعراف ۷:۵۴)

''حقیقت میں تمھارا رب تو اللہ ہے جس نے آسمان وزمین کو چھے دن میں پیدا کیا اور پھر اپنے تختِ سلطنت پر جلوہ افروز ہو گیا، جو دن کو رات کا لباس اڑھاتا ہے اور پھر رات کے تعاقب میں دن تیزی کے ساتھ دوڑ آتا ہے، سورج اور چاند اور تارے سب کے سب جس کے تابع فرماں ہیں۔ سنو! خلق اسی کی ہے اور فرماں روائی بھی اسی کی۔ بڑا بابرکت ہے وہ کائنات کا رَبّ۔

قُلْ مَنْ یَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ یَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ یُّخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَیُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ وَمَنْ یُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ط فَسَیَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ج فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ○ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ج فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ج فَاَنّٰی تُصْرَفُوْنَ ○ (یونس:۳۱۔۳۲)

''ان سے پوچھو، کون تم کو آسمان وزمین سے رزق دیتا ہے؟ کانوں کی شنوائی اور آنکھوں کی بینائی کس کے قبضہ واختیار میں ہے؟ کون ہے جو بے جان کو جان دار میں سے اور جان دار کو بے جان میں سے نکالتا ہے؟ اور کون اس کارگاہِ عالم کا انتظام چلا رہا ہے؟ وہ ضرور کہیں گے اللہ، کہو، پھر تم ڈرتے نہیں ہو؟ جب یہ سارے کام اسی کے ہیں تو تمھارا حقیقی رب اللہ ہی ہے۔ حقیقت کے بعد گم راہی کے سوا اور کیا رہ جاتا ہے؟ آخر کہاں سے تمھیں یہ ٹھوکر لگتی ہے کہ حقیقت سے پھرے جاتے ہو؟''

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ج یُكَوِّرُ الَّیْلَ عَلَی النَّهَارِ وَیُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَی الَّیْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ط كُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی ط ذٰلِكُمُ

اللّٰہُ رَبُّکُمْ لَہُ الْمُلْکُط لَآاِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ج فَاَنّٰی تُصْرَفُوْنَo (الزمر:۵۔۶)

''اس نے زمین وآسمان کو برحق پیدا کیا ہے۔ رات کو دن پر اور دن کو رات پر وہی لپیٹتا ہے۔ چاند اور سورج کو اسی نے ایسے ضابطے کا پابند بنایا ہے کہ ہر ایک اپنے مقررہ وقت تک چلے جا رہا ہے..... یہی اللہ تمھارا رب ہے۔ بادشاہی اسی کی ہے۔ اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں۔ آخر یہ تم کہاں سے ٹھوکر کھا کر پھرے جاتے ہو؟''

اَللّٰہُ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الَّیْلَ لِتَسْکُنُوْا فِیْہِ وَالنَّھَارَ مُبْصِرًاط ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمْ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ ز لَآاِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ج فَاَنّٰی تُؤْفَکُوْنَo اَللّٰہُ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّصَوَّرَکُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَکُمْ وَرَزَقَکُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِط ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمْ ج فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَo ھُوَ الْحَیُّ لَآاِلٰہَ اِلَّا ھُوَ فَادْعُوْہُ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَط (المومن:۶۱۔۶۵)

''اللہ جس نے تمھارے لیے رات بنائی کہ اس میں تم سکون حاصل کرو۔ اور دن کو روشن کیا..... وہی تمھارا اللہ تمھارا رب ہے، ہر چیز کا خالق، کوئی اور معبود اس کے سوا نہیں، پھر یہ کہاں سے دھوکا کھا کر تم بھٹک جاتے ہو؟..... اللہ جس نے تمھارے لیے زمین کو جائے قرار بنایا، اور آسمان کا گنبد بنا دیا، تمھاری صورتیں بنائیں اور خوب ہی صورتیں بنائیں، اور تمھاری غذا کے لیے پاکیزہ چیزیں مہیا کیں، وہی اللہ مھارا رب ہے، بڑا بابرکت ہے وہ کائنات کا رب۔ وہی زندہ ہے۔ کوئی اور معبود اس کے سوا نہیں۔ اسی کو تم پکارو اپنے دین کو اس کے لیے خالص کر کے''

وَاللّٰہُ خَلَقَکُمْ مِّنْ تُرَابٍ ..... یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّھَارِ وَیُوْلِجُ النَّھَارَ فِی الَّیْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ کُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّیط ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمْ لَہُ الْمُلْکُط وَالَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖ مَا یَمْلِکُوْنَ مِنْ قِطْمِیْرٍo اِنْ تَدْعُوْھُمْ لَا یَسْمَعُوْا دُعَآءَکُمْ ج وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَکُمْط وَیَوْمَ

الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ط (فاطر:۱۳۔۱۴)

''اللہ نے تم کو مٹی سے پیدا کیا..... وہ رات کو دن میں پرو دیتا ہے اور دن کو رات میں، اس نے چاند اور سورج کو ایسے ضابطہ کا پابند بنایا ہے کہ ہر ایک اپنے مقرر وقت تک چلے جا رہا ہے۔ یہی اللہ تمھارا رب ہے۔ بادشاہی اسی کی ہے۔ اس کے سوا جن دوسری ہستیوں کو تم پکارتے ہو ان کے ہاتھ میں ایک ذرّہ کا اختیار بھی نہیں ہے۔ تم پکارو تو وہ تمھاری پکاریں سن نہیں سکتے، اور سن بھی لیں تو تمھاری درخواست کا جواب دینا اُن کے بس میں نہیں۔ تم جو انھیں شریکِ خدا بناتے ہو اس کی تردید وہ خود قیامت کے دن کر دیں گے۔''

وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ o ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ط هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَآءَ فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ط كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ o بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ج فَمَنْ يَّهْدِيْ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ج وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ o فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ط فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ط لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ط ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ لا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ o

(الروم:۲۶۔۳۰)

''آسمانوں کے رہنے والے ہوں یا زمین کے، سب اس کے غلام اور اس کے تابع فرمان ہیں..... اللہ خود تمھاری اپنی ذات سے ایک مثال تمھارے سامنے بیان کرتا۔ کیا تمھارے غلاموں میں سے کوئی اُن چیزوں کی ملکیت میں تمھارا شریک ہوتا ہے جو ہم نے تمھیں بخشی ہیں؟ کیا ان چیزوں کے اختیارات وتصرفات میں تم اور تمھارے غلام مساوی ہوتے ہیں؟ کیا تم ان سے اس طرح ڈرتے ہو جس طرح اپنے برابر والوں سے ڈرا کرتے ہو؟ جو لوگ عقل سے کام لینے والے ہیں ان کے لیے تو ہم حقیقت تک پہنچا دینے والی دلیلیں اس طرح کھول کر بیان کر دیتے ہیں مگر ظالم لوگ علم کے بغیر اپنے بے بنیاد خیالات کے پیچھے چلے جا رہے ہیں..... لہٰذا تم بالکل یک سُو ہو کر حقیقی دین

کے راستہ پر اپنے آپ کو ثابت قدم کر دو اللہ کی فطرت پر قائم ہو جاؤ۔ جس پر اس نے سب انسانوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کی خلقت کو بدلا نہ جائے۔ یہی ٹھیک سیدھا طریقہ ہے، مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔''

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ق وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ط سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○
(الزمر:٦٧)

''ان لوگوں نے اللہ کی عظمت و کبریائی کا اندازہ جیسا کہ کرنا چاہیے تھا، نہیں کیا۔ قیامت کے روز یہ دیکھیں گے کہ زمین پوری کی پوری اس کی مٹھی میں ہے اور آسمان اس کے ہاتھ میں سمٹے ہوئے ہیں۔ اس کی ذات منزّہ اور بالاتر ہے اس سے کہ کوئی اس کا شریک ہو، جیسا کہ یہ لوگ قرار دے رہے ہیں''

فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ص وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ (الجاثیہ:٣٦۔٣٧)

''پس ساری تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جو زمین و آسمان اور تمام کائنات کا رب ہے۔ کبریائی اسی کی ہے۔ آسمانوں میں بھی اور زمین میں بھی۔ اور وہ سب پر غالب اور حکیم و دانا ہے۔''

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ط هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ○ (مریم:٦٥)

''وہ زمین اور آسمانوں کا مالک اور ان ساری چیزوں کا مالک ہے جو زمین و آسمان میں ہیں۔ لہٰذا تو اسی کی بندگی کر اور اس کی بندگی پر ثابت قدم رہ۔ کیا اس جیسا کوئی اور تیرے علم میں ہے؟''

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ط (ہود:١٢٣)

''زمین اور آسمانوں کی ساری پوشیدہ حقیقتیں اللہ کے علم میں ہیں اور سارے معاملات اسی کی سرکار میں پیش ہوتے ہیں۔ لہٰذا تو اسی کی بندگی کر اور اسی پر بھروسا کر''

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا○ (المزمل:۹)

''مشرق اور مغرب سب کا وہی مالک ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ لہٰذا تُو اسی کو اپنا مختارِ کار بنا لے۔''

اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ○ وَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ ؕ كُلٌّ اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ○ (الانبیا:۹۲۔۹۳)

''حقیقت میں تمھاری یہ امت ایک ہی امت ہے۔ اور میں تمھارا رب ہوں۔ لہٰذا تم میری ہی بندگی کرو۔ لوگوں نے اس کارِ ربوبیت اور اس معاملہ بندگی کو آپس میں خود ہی تقسیم کر لیا ہے مگر ان سب کو بہر حال ہماری ہی طرف پلٹ کر آنا ہے''

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ؕ (الاعراف:۳)

''پیروی کرو اس کتاب کی جو تمھارے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہے اور اسے چھوڑ کر دوسرے کارسازوں کی پیروی نہ کرو۔''

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ ۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ (آلِ عمران:۶۴)

''کہو، اے اہلِ کتاب آؤ اس بات کی طرف جو ہمارے اور تمھارے درمیان یکساں ہے یہ کہ ہم نہ تو اللہ کے سوا کسی کی بندگی کریں، نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک قرار دیں اور نہ ہم میں سے کوئی انسان کسی دوسرے انسان کو اللہ کے سوا اپنا رب بنائے۔''

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ○ۙ مَلِكِ النَّاسِ○ۙ اِلٰهِ النَّاسِ○ۙ (الناس:۱۔۳)

''کہو میں پناہ ڈھونڈتا ہوں اس کی جو انسانوں کا رب، انسانوں کا بادشاہ اور انسانوں کا معبود ہے۔''

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا○ (الکہف:۱۱۰)

''پس جو اپنے رب کی ملاقات کا اُمیدوار ہو اسے چاہیے کہ نیک کام کرے اور
اپنے رب کی بندگی میں کسی اور کی بندگی شریک نہ کرے۔''

ان آیات کو سلسلہ وار پڑھنے سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ قرآن ربوبیت کو بالکل حاکمیت اور سلطانی (Sovereignty) کا ہم معنی قرار دیتا ہے اور ''ربّ'' کا یہ تصور ہمارے سامنے پیش کرتا ہے کہ وہ کائنات کا سلطانِ مطلق اور لاشریک مالک و حاکم ہے۔

اسی حیثیت سے وہ ہمارا اور تمھارا جہان کا پروردگار، مربی اور حاجت روا ہے۔

اسی حیثیت سے اس کی وفاداری وہ قدرتی بنیاد ہے جس پر ہماری اجتماعی زندگی کی عمارت صحیح طور پر قائم ہوتی ہے۔ اور اس کی مرکزی شخصیت سے وابستگی تمام متفرق افراد اور گروہوں کے درمیان ایک امت کا رشتہ پیدا کرتی ہے۔

اسی حیثیت سے وہ ہماری اور تمام مخلوقات کی بندگی، اطاعت اور پرستش کا مستحق ہے۔

اسی حیثیت سے وہ ہمارا اور ہر چیز کا مالک، آقا اور فرماں روا ہے۔

اہلِ عرب اور دُنیا کے تمام جاہل لوگ ہر زمانہ میں اس غلطی میں مبتلا تھے اور اب تک ہیں کہ ربوبیت کے اس جامع تصور کو انھوں نے پانچ مختلف النّوع ربوبیتوں میں تقسیم کر دیا۔ اور اپنے قیاس و گمان سے یہ رائے قائم کی کہ مختلف قسم کی ربوبیتیں مختلف ہستیوں سے متعلق ہو سکتی ہیں اور متعلق ہیں قرآن اپنے طاقت وَر استدلال سے ثابت کرتا ہے کہ کائنات کے اس مکمل مرکزی نظام میں اس بات کی مطلق گنجائش نہیں ہے کہ اقتدارِ اعلیٰ جس کے ہاتھ میں ہے اس کے سوا ربوبیت کا کوئی کام کسی دوسری ہستی سے کسی درجہ میں بھی متعلق ہو۔ اس نظام کی مرکزیت خود گواہ ہے کہ ہر طرح کی ربوبیت اُسی خدا کے لیے مختص ہے جو اس نظام کو وجود میں لایا۔ لہٰذا جو شخص اس نظام کے اندر رہتے ہوئے ربوبیت کا کوئی جز کسی معنی میں بھی خدا کے سوا کسی اور سے متعلق سمجھتا ہے یا متعلق کرتا ہے، وہ دراصل حقیقت سے لڑتا ہے، صداقت سے منہ موڑتا ہے، حق کے خلاف بغاوت کرتا ہے اور امرِ واقعی کے خلاف کام کر کے اپنے آپ کو خود نقصان اور ہلاکت میں مبتلا کرتا ہے۔

.....☆☆☆.....

۳

عبادت

لغوی تحقیق

عربی زبان میں عبودۃ عبودیہ اور عبدیۃ کے اصل معنی خضوع اور تذلّل کے ہیں۔ یعنی تابع ہو جانا، رام ہو جانا، کسی کے سامنے اس طرح سپر ڈال دینا کہ اس کے مقابلہ میں کوئی مزاحمت یا انحراف و سرتابی نہ ہو، اور وہ اپنے منشا کے مطابق جس طرح چاہے خدمت لے۔ اسی اعتبار سے اہلِ عرب اُس اونٹ کو بعیر مُعبّد کہتے ہیں جو سواری کے لیے پوری طرح رام ہو چکا ہو، اور اس راستے کو طریقِ معبّد جو کثرت سے پامال ہو کر ہموار ہو گیا ہو۔ پھر اسی اصل سے اس مادّہ میں غلامی، اطاعت، پوجا، ملازمت اور قید یا رُکاوٹ کے مفہومات پیدا ہوئے ہیں۔ چنانچہ عربی لغت کی سب سے بڑی کتاب ''السان العرب'' میں اس کی جو تشریح کی گئی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے:

۱۔ اَلْعَبْدُ، اَلْمَمْلُوْكُ خِلَافُ الْحُرِّ۔ عبد وہ ہے جو کسی کی ملک ہو اور یہ لفظ حرّ (آزاد) کی ضد ہے۔ تَعَبَّدَ الرَّجُلَ ''آدمی کو غلام بنا لیا اس کے ساتھ غلام جیسا معاملہ کیا۔ یہی معنی عَبَّدَہٗ، اَعْبَدَ اور اعتَبَدَہٗ کے ہیں۔ حدیث میں آتا ہے۔ ثَلٰثَۃٌ اَنَا خَصْمُھُمْ، رَجُلٌ اِعْتَبَدَ مُحَرَّرًا (وفی روایۃ اعبد محررًا) تین آدمی ہیں جن کے خلاف قیامت کے دن میں مستغیث بنوں گا۔ من جملہ ان کے ایک وہ شخص ہے جو کسی آزاد کو غلام بنانے یا غلام کو آزاد کرنے کے بعد پھر اس سے غلام کا سا معاملہ کرے۔'' حضرت موسیٰ نے فرعون سے کہا تھا: وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ ''اور تیرا وہ احسان جس کا طعنہ تو مجھے دے رہا ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا لیا۔''

۲۔ اَلْعِبَادَۃُ اَلطَّاعَۃُ مَعَ الْخُضُوْعِ ''عبادت اس طاعت کو کہتے ہیں، جو پوری فرماں برداری کے ساتھ ہو۔'' عَبَدَ الطَّاغُوْتَ اَیْ اَطَاعَہٗ،'' طاغوت کی عبادت کی، یعنی اس کا فرماں بردار ہو گیا۔'' اِيَّاكَ نَعْبُدُ، اَیْ نُطِيْعُ الطَّاعَۃَ الَّتِیْ يَخْضَعُ مَعَهَا ''ہم تیری عبادت

کرتے ہیں یعنی ہم تیری اطاعت پوری فرماں برداری کے ساتھ کرتے ہیں۔ ''اُعْبُدُوْا رَبَّکُمْ اَیْ اَطِیْعُوْا رَبَّکُمْ ''اپنے رب کی عبادت کرو، یعنی اس کی اطاعت کرو۔'' قَوْمُھُمَا لَنَا عَابِدُوْنَ ای دَائِنُوْنَ و کل من دان لملك فھو عابد له وقال ابن الانباری فلان عابد وھو الخاضع لربّه المستسلم المنقاد لامره۔ یعنی فرعون نے جو یہ کہا تھا کہ موسیٰؑ اور ہارونؑ کی قوم ہماری عابد ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہماری تابع فرمان ہے۔ جو شخص کسی بادشاہ کا مطیع ہے وہ اس کا عابد ہے۔ اور ابن الانباری کہتا ہے فلان عابد کے معنی ہیں ''وہ اپنے مالک کا فرماں بردار اور اس کے حکم کا مطیع ہے۔ 88

۳۔ عبدہ عبادۃ ومعبدًا ومعبدۃ تألّه له، ''اس کی عبادت کی، یعنی اس کی پوجا کی۔'' التعبد التنسك، ''تعبّد سے مراد ہے کسی کا پرستار اور پجاری بن جانا۔'' شاعر کہتا ہے اری المال عند الباخلین معبّدًا۔ ''میں دیکھتا ہوں کہ بخیلوں کے ہاں روپیہ پجتا ہے۔''

۴۔ عبدہ وعبدبه لزمهٗ فلم یفارقه، ''عَبَدَہٗ اور عَبَدَبِہٖ۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس کے ساتھ وابستہ ہو گیا اور جدا نہ ہوا، اس کا دامن تھام لیا اور چھوڑا نہیں۔''

۵۔ ماعبدك عنی ای ماحبسك۔ جب کوئی شخص کسی کے پاس آنے سے رک جائے، تو وہ یوں کہے گا کہ ماعبدك عنّی، ''یعنی کس چیز نے تجھے میرے پاس آنے سے روک دیا''

اس تشریح سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مادۂ عبد کا اساسی مفہوم کسی کی بالادستی و برتری تسلیم کر کے اس کے مقابلہ میں اپنی آزادی و خود مختاری سے دست بردار ہو جانا، سرتابی و مزاحمت چھوڑ دینا اور اس کے لیے رام ہو جانا ہے یہی حقیقت بندگی و غلامی کی ہے۔ لہٰذا اس لفظ سے اوّلین تصوّر جو ایک عرب کے ذہن میں پیدا ہوتا ہے وہ بندگی و غلامی (۱) ہی کا تصور ہے۔ پھر چوں کہ غلام کا اصلی کام اپنے آقا کی اطاعت و فرماں برداری ہے، اس لیے لازماً اس کے ساتھ ہی اطاعت (۲) کا تصور پیدا ہوتا ہے۔ اور جب کہ ایک غلام اپنے آقا کی بندگی و اطاعت میں محض اپنے آپ کو سپرد ہی نہ کر چکا ہو بلکہ اعتقاداً اس کی برتری کا قائل اور اس کی بزرگی کا معترف بھی ہو، اور اس کی مہربانیوں پر شکر و احسان مندی کے جذبہ سے بھی سرشار ہو، تو وہ اس کی تعظیم و تکریم میں مبالغہ کرتا ہے، مختلف طریقوں سے اعترافِ نعمت کا اظہار کرتا ہے اور طرح طرح سے مراسمِ بندگی بجالاتا ہے۔ اسی کا نام پرستش (۳) ہے اور یہ تصور عبدیّت کے مفہوم میں صرف اس وقت شامل ہوتا ہے جب کہ غلام کا محض سر ہی آقا کے سامنے جھکا ہوا نہ ہو بلکہ اس کا دل بھی جھکا ہوا ہو۔ رہے باقی دو

تصورات تو وہ دراصل عبدیّت کے ضمنی تصورات ہیں، اصلی اور بنیادی نہیں ہیں۔

لفظِ عبادت کا استعمال قرآن میں

اس لغوی تحقیق کے بعد جب ہم قرآن کی طرف رجوع کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اس کتابِ پاک میں یہ لفظ تمام تر پہلے تین معنوں میں استعمال ہوا ہے کہیں معنیٰ اوّل و دوم ایک ساتھ مراد ہیں، کہیں معنیٰ دوم اور کہیں صرف معنیٰ سوم مراد لیے گئے ہیں، اور کہیں تینوں معنی بیک وقت مقصود ہیں۔

عبادت بمعنی غلامی و اطاعت

پہلے اور دوسرے معنی کی مثالیں حسب ذیل ہیں:

ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی وَاَخَاهُ هٰرُوْنَ ۙ بِاٰیٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ۙ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَمَلَائِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِیْنَ ۚ فَقَالُوْۤا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَیْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ۚ (مومنون: ۴۵۔۴۷)

''پھر ہم نے موسیٰؑ اور اس کے بھائی ہارونؑ کو اپنی نشانیوں اور صریح دلیلِ ماموریت کے ساتھ فرعون اور اس کے اعیانِ سلطنت کی طرف بھیجا۔ مگر وہ تکبر سے پیش آئے، کیوں کہ وہ با اقتدار لوگ تھے۔ انھوں نے کہا کیا ہم اپنے ہی جیسے دو آدمیوں کا کہا مان لیں اور آدمی بھی وہ جن کی قوم ہماری عابد ہے۔''

وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَیَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ؕ (الشعرا: ۲۲)

''(فرعون نے جب موسیٰؑ کو طعنہ دیا کہ ہم نے تجھے اپنے ہاں بچپن سے پالا ہے تو موسیٰؑ نے کہا) اور تیرا وہ احسان جس کا تو مجھے طعنہ دے رہا ہے۔ یہی تو ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو اپنا عبد بنالیا۔''

دونوں آیتوں میں عبادت سے مراد غلامی اور اطاعت و فرماں برداری ہے۔ فرعون نے کہا موسیٰؑ اور ہارون کی قوم ہماری عابد ہے، یعنی ہماری غلام ہے اور ہمارے فرمان کی تابع ہے۔ اور حضرت موسیٰؑ نے کہا کہ تو نے بنی اسرائیل کو اپنا عبد بنالیا ہے، یعنی انھیں غلام بنالیا ہے اور ان سے من مانی خدمت لیتا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۔ (البقرہ: ۱۷۲)

''اے ایمان لانے والو! اگر تم ہماری عبادت کرتے ہو تو ہم نے جو پاک چیزیں تمھیں بخشی ہیں انھیں کھاؤ اور خدا کا شکر ادا کرو۔''

اس آیت کا موقع ومحل یہ ہے کہ اسلام سے پہلے عرب کے لوگ اپنے مذہبی پیشواؤں کے احکام اور اپنے آباؤ اجداد کے اوہام کی پیروی میں کھانے پینے کی چیزوں کے متعلق طرح طرح کی قیود کی پابندی کرتے تھے۔ جب ان لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''اگر تم ہماری عبادت کرتے ہو، تو ان ساری پابندیوں کو ختم کرو اور جو کچھ ہم نے حلال کیا ہے اسے حلال سمجھ کر بے تکلف کھاؤ پیو۔'' اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اگر تم اپنے پنڈتوں اور بزرگوں کے نہیں بلکہ ہمارے بندے ہو، اور اگر تم نے واقعی ان کی اطاعت وفرماں برداری چھوڑ کر ہماری اطاعت وفرماں برداری قبول کی ہے تو اب تمھیں حلّت وحرمت اور جواز وعدمِ جواز کے معاملہ میں ان کے بنائے ہوئے ضابطوں کی بجائے ہمارے ضابطہ کی پیروی کرنا ہوگی۔ لہٰذا یہاں بھی عبادت کا لفظ غلامی اور اطاعت ہی کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَاللّٰهِ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ (المائدۃ:٦٠)

''کہوں میں بتاؤں تمھیں کہ اللہ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ برا انجام کن لوگوں کا ہے؟ وہ جن پر اللہ کی پھٹکار ہوئی اور اس کا غضب ٹوٹا، جن میں سے بہت سے لوگ بندر اور سؤر تک بنا دیے گئے، جنھوں نے طاغوت کی عبادت کی''

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوْا الطَّاغُوْتَ ۚ (النحل:٣٦)

''ہم نے ہر قوم میں ایک پیغمبر یہ تعلیم دینے کے لیے بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت کی عبادت سے باز رہو۔''

وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْٓا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى ۔ (الزمر:١٧)

''اور خوش خبری ہے ان لوگوں کے لیے جنھوں نے طاغوت کی عبادت کو چھوڑ کر اللہ کی طرف رجوع کیا۔''

تینوں آیتوں میں طاغوت کی عبادت سے مراد طاغوت کی غلامی اور اطاعت ہے، جیسا کہ اس سے پہلے ہم اشارہ کر چکے ہیں، قرآن کی اصطلاح میں طاغوت سے مراد ہر وہ ریاست واقتدار اور ہر وہ راہ نُمائی و پیشوائی ہے جو خدا سے باغی ہو کر خدا کی زمین میں اپنا حکم چلائے اور اس کے بندوں کو زور و جبر سے یا تحریص واطماع سے یا گم راہ کن تعلیمات سے اپنے تابع امر بنائے۔ ایسے ہر اقتدار اور ایسی ہر پیشوائی کے آگے سرِ تسلیم خم کرنا اور اس کی بندگی اختیار کر کے اس کا حکم بجا لانا طاغوت کی عبادت ہے۔

عبادت بمعنی اطاعت

اب ان آیات کو لیجیے جن میں عبادت کا لفظ صرف معنی دوم میں استعمال ہوا ہے۔

اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ (یٰسٓ:۶۰)

"اے بنی آدم! کیا مَیں نے تمھیں تاکید نہ کی تھی کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا۔ کیوں کہ وہ تمھارا کھلا دشمن ہے۔"

ظاہر ہے کہ شیطان کی پرستش تو دنیا میں کوئی بھی نہیں کرتا۔ بلکہ ہر طرف سے اس پر لعنت اور پھٹکار ہی پڑتی ہے۔ لہٰذا بنی آدم پر جو فردِ جرم اللہ تعالیٰ کی طرف سے قیامت کے روز لگائی جائے گی، وہ اس بات کی نہ ہو گی کہ انھوں نے شیطان کی پوجا کی بلکہ اس بات کی ہو گی کہ وہ شیطان کے کہنے پر چلے اور اس کے احکام کی اطاعت کی اور جس جس راستہ کی طرف وہ اشارہ کرتا گیا اس پر دوڑے چلے گئے۔

اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ۝ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ ...... وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ۔ قَالُوْٓا اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ قَالُوْا بَلْ لَّمْ تَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ ۔ (الصّٰفّٰت:۲۲۔۳۰)

"(جب قیامت برپا ہو گی تو اللہ فرمائے گا) تمام ظالموں اور ان کے ساتھیوں کو اور معبودان غیر اللہ کو جن کی وہ عبادت کرتے تھے جمع کرو اور انھیں جہنم کا راستہ دکھاؤ...... پھر وہ آپس میں ایک دوسرے سے ردّ و کد کرنے لگیں گے۔

عبادت کرنے والے کہیں گے کہ تم وہی لوگ تو ہو جو خبر کی راہ سے ہمارے پاس آتے تھے۔ان کے معبود جواب دیں گے کہ اصل میں تم خود ایمان لانے پر تیار نہ تھے ہمارا کوئی زور تم پر نہ تھا۔تم آپ ہی نافرمان لوگ تھے۔''

اس آیت میں عابدوں اور معبودوں کے درمیان جو سوال و جواب نقل کیا گیا ہے اس پر غور کرنے سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ یہاں معبودوں سے مراد بت اور دیوتا نہیں ہیں جن کی پوجا کی جاتی تھی، بلکہ وہ پیشوا اور راہ نُما ہیں جنھوں نے سجادوں اور تسبیحوں اور جُبّوں اور گلیموں سے بندگان خدا کو دھوکا دے دے کر اپنا معتقد بنایا جنھوں نے اصلاح اور خیر خواہی کے دعوے کر کے شر اور فساد پھیلائے۔ایسے لوگوں کی اندھی تقلید اور ان کے احکام کی بے چون و چرا اطاعت کرنے ہی کو یہاں عبادت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۔ (التوبہ:۳۱)

''انھوں نے اپنے علما اور مشائخ کو خدا کی بجائے اپنا رب بنا لیا اور اسی طرح مسیح ابن مریم کو بھی حالانکہ انھیں ایک الٰہ کے سوا کسی کی عبادت کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔''

یہاں علما اور مشائخ کو رب بنا کر عبادت کرنے سے مراد انھیں امر و نہی کا مختار اور خدا و پیغمبر کی سند کے بغیر ان کے احکام کی اطاعت بجالانا ہے۔اسی معنی کی تصریح روایاتِ صحیحہ میں خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادی ہے۔جب آپ سے عرض کیا گیا کہ ہم نے علما اور مشائخ کی پرستش تو کبھی نہیں کی۔تو آپؐ نے جواب دیا کہ جس چیز کو انھوں نے حلال ٹھہرایا، کیا تم نے اسے حلال نہیں سمجھ لیا؟ اور جسے انھوں نے حرام قرار دیا کیا تم نے اسے حرام نہیں بنا لیا؟

عبادت بمعنی پرستش:

اب تیسرے معنی کی آیات کو لیجیے۔اس سلسلہ میں یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ قرآن کی رُو سے عبادت بمعنی پرستش میں دو چیزیں شامل ہیں۔

ایک یہ کہ کسی کے لیے سجدہ و رکوع اور دست بستہ قیام اور طواف اور آستانہ بوسی اور نذر و نیاز اور قربانی وغیرہ کے وہ مراسم ادا کیے جائیں جو بالعموم پرستش کی غرض سے ادا کیے جاتے ہیں قطع نظر اس سے کہ اسے مستقل بالذات معبود سمجھا جائے یا بڑے معبود کے ہاں تقرب اور سفارش کا ذریعہ سمجھ کر ایسے کیا

جائے، یا بڑے معبود کے ماتحت خدائی کے انتظام میں شریک سمجھتے ہوئے یہ حرکت کی جائے۔

دُوسرے یہ کہ کسی کو عالمِ اسباب پر ذی اقتدار خیال کر کے اپنی حاجتوں میں اس سے دعا مانگی جائے، اپنی تکلیفوں اور مصیبتوں میں اس کو مدد کے لیے پکارا جائے اور خطرات ونقصانات سے بچنے کے لیے اس سے پناہ مانگی جائے۔

یہ دونوں قسم کے فعل قرآن کی رُو سے یکساں پرستش کی تعریف میں آتے ہیں۔

مثالیں

قُلْ اِنِّیْ نُھِیْتُ اَنْ اَعْبُدَالَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ لَمَّا جَآءَنِیَ الْبَیِّنٰتُ مِنْ رَّبِّیْ ۔ (المومن۔٦٦)

''کہو، مجھے تو اس سے منع کر دیا گیا ہے کہ اپنے رب کی طرف سے صریح ہدایات پا لینے کے بعد میں ان کی پرستش کروں جنہیں تم خدا کو چھوڑ کر پکارتے ہو''

وَاَعْتَزِلُکُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ وَاَدْعُوْا رَبِّیْ ..... فَلَمَّا اعْتَزَلَھُمْ وَمَایَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ لا وَھَبْنَالَہٗ اِسْحٰقَ ۔ (مریم:۴۸۔۴۹)

''(ابراہیمؑ نے کہا) مَیں تمھیں اور اللہ کے ماسوا جنہیں تم پکارتے ہو، ان سب کو چھوڑتا ہوں۔ اور اپنے رب کو پکارتا ہوں..... پس جب وہ ان سے اور ان کے سوا جن کی وہ عبادت کرتے تھے۔ ان سب سے الگ ہو گیا تو ہم نے اُسے اسحٰق جیسا بیٹا دیا.....''

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ یَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَنْ لَّا یَسْتَجِیْبُ لَہٗٓ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ وَھُمْ عَنْ دُعَآئِھِمْ غٰفِلُوْنَ وَاِذَا حُشِرَالنَّاسُ کَانُوْا لَھُمْ اَعْدَآءً وَّکَانُوْا بِعِبَادَتِھِمْ کٰفِرِیْنَ ۔ (الاحقاف:۵۔٦)

''اور اس سے زیادہ بہکا ہوا انسان اور کون ہو گا جو اللہ کو چھوڑ کر انھیں پکارے جو قیامت تک اُس کی پکار کا جواب نہیں دے سکتے، جنھیں خبر تک نہیں کہ انھیں پکارا جا رہا ہے۔ اور جو روزِ حشر میں (جب کہ لوگ جمع کیے جائیں گے) اپنے ان پکارنے والوں کے دشمن ہوں گے اور ان کی عبادت کا انکار کریں گے۔''[1]

---

[1] یعنی صاف کہیں گے کہ نہ ہم نے ان سے کہا کہ ہماری عبادت کرو اور نہ ہمیں اس کی کبھی خبر ہوئی کہ یہ ہماری عبادت کرتے تھے۔

تینوں آیتوں میں قرآن نے خود ہی تصریح کر دی ہے کہ یہاں عبادت سے مراد دعا مانگنا اور مدد کے لیے پکارنا ہے۔

بَلْ كَانُوا يَعْبُدُونَ الْجِنَّ أَكْثَرُهُم بِهِم مُّؤْمِنُونَ ۔ (سبا۔۴۱)

''بلکہ وہ جنّوں کی عبادت کرتے تھے اور ان میں سے اکثر ان پر ایمان لائے ہوئے تھے۔''

یہاں جنّوں کی عبادت اور ان پر ایمان لانے سے جو کچھ مراد ہے اس کی تشریح سورۂ جن کی یہ آیت کرتی ہے۔

وَأَنَّهُ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْإِنسِ يَعُوذُونَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ ۔ (الجن:۶)

''اور یہ کہ انسانوں میں سے بعض اشخاص جنوں میں سے بعض اشخاص کی پناہ ڈھونڈتے ہیں۔''

اس سے معلوم ہوا کہ جنّوں کی عبادت سے مراد ان کی پناہ ڈھونڈنا ہے اور خطرات ونقصانات کے مقابلہ میں ان سے حفاظت طلب کرنا ہے اور ان پر ایمان لانے سے مراد ان کے متعلق یہ اعتقاد رکھنا ہے کہ وہ پناہ دینے اور حفاظت کرنے کی طاقت رکھتے ہیں۔

يَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ فَيَقُولُ ءَأَنتُمْ أَضْلَلْتُمْ عِبَادِي هَٰؤُلَاءِ أَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيلَ۔ قَالُوا سُبْحَانَكَ مَا كَانَ يَنبَغِي لَنَا أَن نَّتَّخِذَ مِن دُونِكَ مِنْ أَوْلِيَاءَ..... (الفرقان:۱۷۔۱۸)

''جس روز اللہ انھیں اور ان کے معبودوں کو جمع کرے گا جن کی یہ خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے تھے تو وہ ان سے پوچھے گا کہ میرے ان بندوں کو تم نے بہکایا تھا یا خود راہِ راست سے بہک گئے؟ وہ عرض کریں گے سبحان اللہ! ہمیں کب زیبا تھا کہ حضور کو چھوڑ کر کسی کو ولی ورفیق بنائیں۔''

یہاں اندازِ بیان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ معبودوں سے مراد اولیا اور صلحا ہیں اور ان کی عبادت سے مراد انھیں بندگی کی صفات سے بالاتر اور خدائی کی صفات سے متصف سمجھنا، انھیں غیبی امداد اور مشکل کشائی وفریادرسی پر قادر خیال کرنا اور ان کے لیے تعظیم کے وہ مراسم ادا کرنا جو پرستش کی حد تک پہنچے ہوئے ہوں۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ يَقُولُ لِلْمَلَائِكَةِ أَهَٰؤُلَاءِ إِيَّاكُمْ كَانُوا

يَعْبُدُوْنَ۔ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ۔ (سبا:۴۰۔۴۱)

''جس روز اللہ سب کو اکٹھا کرے گا، پھر فرشتوں[1] سے پوچھے گا، کیا وہ تم ہو جن کی یہ لوگ عبادت کرتے تھے؟ تو وہ کہیں گے، سبحان اللہ! ہمیں ان سے کیا تعلق؟ ہمارا تعلق تو آپ سے ہے۔''

یہاں فرشتوں کی عبادت سے مراد ان کی پرستش ہے جو ان کے استھان اور ہیکل اور خیالی مجسمے بنا کر کی جاتی تھی اور اس پوجا سے مقصود یہ ہوتا تھا کہ انھیں خوش کر کے ان کی نظرِ عنایت اپنے حال پر مبذول کرائی جائے، اور اپنے دنیوی معاملات میں ان سے مدد حاصل کی جائے۔

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَالَا يَضُرُّهُمْ وَلَايَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَاللّٰهِ ۔ (یونس:۱۸)

''وہ اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کرتے تھے جو نہ انھیں نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔''

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ مَانَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى۔ (الزمر:۳)

''جن لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو اپنا ولی بنا رکھا ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہم تو ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ سے قریب کر دیں''

یہاں بھی عبادت سے مراد پرستش ہے اور اُس غرض کی بھی تشریح کر دی گئی ہے جس کے لیے یہ پرستش کی جاتی ہے۔

عبادت بمعنی بندگی واطاعت و پرستش

اُوپر کی مثالوں سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن میں عبادت کا لفظ کہیں غلامی واطاعت کے معنی میں استعمال ہوا ہے، کہیں مجرّد اطاعت کے معنی میں۔ اب قبل اس کے کہ ہم وہ مثالیں پیش کریں جن میں یہ لفظ عبادت کے ان تینوں مفہومات کا جامع ہے، ایک مقدمہ ذہن نشین کر لینا ضروری ہے۔

اُوپر جتنی مثالیں پیش کی گئی ہیں ان سب میں اللہ کے سوا دوسروں کی عبادت کا ذکر ہے۔ جہاں عبادت سے مراد غلامی واطاعت ہے وہاں معبود یا تو شیطان ہے یا وہ باغی انسان ہیں جنہیں

[1] یہی فرشتے دوسری مشرک قوموں میں دیوتا (Gods) قرار دیے گئے تھے، اور اہلِ عرب انھیں خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔

نے طاغوت بن کر خدا کے بندوں سے خدا کی بجائے اپنی بندگی واطاعت کرائی، یا وہ راہ نُما وپیشوا ہیں جنھوں نے کتاب اللہ سے بے نیاز ہوکر اپنے خودساختہ طریقوں پر لوگوں کو چلایا۔ اور جہاں عبادت سے مراد پرستش ہے وہاں معبود یا تو اولیا، انبیا اور صلحا ہیں جنھیں ان کی تعلیم وہدایت کے خلاف معبود بنایا گیا، یا فرشتے اور جن ہیں جنھیں محض غلط فہمی کی بنا پر فوق الطبعی ربوبیت میں شریک سمجھ لیا گیا، یہ خیالی طاقتوں کے بت اور تماثیل ہیں جو محض شیطانی اغوا سے مرکزِ پرستش بن گئے۔ قرآن ان تمام اقسام کے معبودوں کو باطل اور ان کی عبادت کو غلط ٹھہراتا ہے، خواہ ان کی غلامی کی گئی ہو یا اطاعت یا پرستش، وہ کہتا ہے کہ تمھارے یہ سب معبود جن کی تم عبادت کرتے رہے ہو، اللہ کے بندے اور غلام ہیں۔ نہ انھیں یہ حق پہنچتا ہے کہ ان کی عبادت کی جائے اور نہ ان کی عبادت سے بجز نامرادی اور ذلت ورسوائی کے تمھیں کچھ حاصل ہوسکتا ہے۔ حقیقت میں ان کا اور ساری کائنات کا مالک اللہ ہی ہے، اس کے ہاتھ میں تمام اختیارات ہیں لہٰذا عبادت کا مستحق اکیلے اللہ کے سوا کوئی نہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ عِبَادٌ اَمْثَالُکُمْ فَادْعُوْھُمْ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ..... وَالَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖ لَایَسْتَطِیْعُوْنَ نَصْرَکُمْ وَلَآ اَنْفُسَھُمْ یَنْصُرُوْنَ ۔ (الاعراف:۱۹۴۔۱۹۷)

''اللہ کو چھوڑ کر جنھیں تم پکارتے ہو وہ تو محض بندے ہیں، جیسے تم خود بندے ہو، انھیں پکار کر دیکھ لو۔ اگر تمھارا عقیدہ ان کے بارے میں صحیح ہے تو وہ تمھاری پکار کا جواب[1] دیں..... اللہ کے سوا جنھیں تم پکارتے ہو وہ نہ تو تمھاری کوئی مدد کر سکتے ہیں اور نہ خود اپنی مدد پر قادر ہیں۔''

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَہٗ بَلْ عِبَادٌ مُّکْرَمُوْنَ ○ لَا یَسْبِقُوْنَہٗ بِالْقَوْلِ وَھُمْ بِاَمْرِہٖ یَعْمَلُوْنَ ○ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَمَا خَلْفَھُمْ وَلَا یَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی وَھُمْ مِّنْ خَشْیَتِہٖ مُشْفِقُوْنَ ۔ (الانبیا:۲۶۔۲۸)

''یہ لوگ کہتے ہیں کہ رحمٰن نے کسی کو بیٹا بنایا۔ بالاتر ہے وہ اس سے کہ کوئی اس کا بیٹا ہو۔ جنھیں یہ اس کی اولاد کہتے ہیں وہ دراصل اس کے بندے ہیں جنھیں عزت دی گئی ہے ان کی اتنی مجال نہیں کہ وہ خود سبقت کر کے اللہ کے حضور کچھ

---

[1] جواب دینے سے مراد جواب میں پکارنا نہیں ہے بلکہ اس سے مراد جوابی کارروائی کرنا ہے جیسا کہ اس سے پہلے ہم اشارہ کر چکے ہیں۔

عرض کرسکیں بلکہ جیسا وہ حکم دیتا ہے اسی کے مطابق وہ عمل کرتے ہیں۔ جو کچھ ان پر ظاہر ہے اسے بھی اللہ جانتا ہے اور جو کچھ ان سے پوشیدہ ہے اس کی بھی اللہ کو خبر ہے۔ وہ اللہ کے حضور کسی کی سفارش نہیں کرسکتے بجز اس کے کہ جس کی سفارش خود اللہ ہی قبول کرنا چاہے اور ان کا حال یہ ہے کہ اللہ کے خوف سے سہمے رہتے ہیں[1]۔''

وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثاً۔ (زخرف۔۱۹)

''ان لوگوں نے فرشتوں کو جو دراصل رحمٰن کے بندے ہیں دیویاں بنا رکھا ہے''

وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ○ لا

(الصّٰفّٰت:۱۵۸)

''انھوں نے جنّوں کے اور خدا کے درمیان نسبی تعلق فرض کرلیا ہے حالانکہ جنّ خود بھی جانتے ہیں کہ ایک دن انھیں حساب کے لیے اس کے حضور پیش ہونا ہے''

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ۔ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا۔ (النسا:۱۷۲)

''نہ مسیح نے کبھی اسے اپنے لیے عار سمجھا کہ وہ اللہ کا بندہ ہو اور نہ مقرّب فرشتوں نے۔ اور جو کوئی اس کی بندگی وغلامی میں عار سمجھے اور تکبر کرے (وہ بھاگ کر جا کہاں سکتا ہے) ایسے سب لوگوں کو اللہ اپنے حضور کھینچ بلائے گا۔''

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ۔ وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ۔ (الرحمٰن:۵۔۶)

''سورج اور چاند سب گردش میں لگے ہیں اور تارے اور درخت خدا کے آگے سرِ اطاعت جھکائے ہوئے ہیں۔''

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ۔ (بنی اسرائیل:۴۴)

''ساتوں آسمان اور زمین اور جس قدر موجودات آسمان وزمین میں ہیں سب کے سب اللہ کی تسبیح کررہے ہیں، کوئی چیز ایسی نہیں جو حمد وثنا کے ساتھ اس کی تسبیح نہ کرتی ہو۔ مگر تم ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں ہو۔''

---

[1] ان معزز بندوں سے مراد فرشتے ہیں۔

وَلَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ۔ (الروم:۲۶)

''آسمانوں اورزمین کی کل موجودات اس کی مِلک ہے اور ساری چیزیں اس کے فرمان کی تابع ہیں۔''

مَامِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌ م بِنَاصِيَتِهَا ۔ (ہود:۵۶)

''کوئی جاندار ایسا نہیں جو اللہ کے قبضہ قدرت میں جکڑا ہوا نہ ہو۔''

اِنْ كُلُّ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّا اٰتِی الرَّحْمٰنِ عَبْدًا لَقَدْ اَحْصٰهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ۔ (مریم:۹۳۔۹۵)

''زمین اور آسمانوں کے باشندوں میں سے کوئی نہیں جو رحمٰن کے سامنے غلام کی حیثیت سے پیش ہونے والا نہ ہو۔ اس نے سب کا شمار کر رکھا ہے اور قیامت کے روز سب اس کے حضور فرداً فرداً پیش ہوں گے''

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ط بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ۔ (آل عمران:۲۶)

''کہو! خدایا! ملک کے مالک! تو جسے چاہے ملک دے اور جس سے چاہے چھین لے، جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلیل کر دے بھلائی تیرے اختیار میں ہے، یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے۔''

اس طرح ان سب کو جن کی عبادت کسی شکل میں کی گئی ہے، اللہ کا غلام اور بے اختیار ثابت کر دینے کے بعد قرآن تمام جنّ وانس سے مطالبہ کرتا ہے کہ ہر مفہوم کے لحاظ سے عبادت صرف اللہ کی ہونی چاہیے۔ غلامی ہو تو اس کی، اطاعت ہو تو اُس کی پرستش ہو تو اس کی، ان میں سے کسی نوع کی عبادت کا شائبہ تک بھی غیر اللہ کے لیے نہ ہو۔

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۔ (النحل:۳۶)

''ہم نے ہر قوم میں ایک رسول یہی پیغام دے کر بھیجا ہے کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت کی عبادت سے پرہیز کرو۔''

وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْٓا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى ج (الزمر:۱۷)

''خوش خبری ہے ان کے لیے جنھوں نے طاغوت کی عبادت سے پرہیز کیا اور اللہ کی طرف رجوع کرلیا۔''

اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ۔ (یٰس:۶۰-۶۱)

''اے بنی آدم! کیا مَیں نے تمھیں تاکید نہ کی تھی کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا، وہ تمھارا کھلا دشمن ہے اور میری عبادت کرنا، یہی سیدھا راستہ ہے۔''

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ...... وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ (التوبہ:۳۱)

''انھوں نے اللہ کی بجائے اپنے علما اور مشائخ کو اپنا رب بنالیا، حالانکہ انھیں حکم دیا گیا تھا کہ ایک اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔''

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝ (البقرہ:۱۷۲)

''اے ایمان لانے والو! اگر تم نے واقعی ہماری عبادت اختیار کی ہے تو جو پاک چیزیں ہم نے تمھیں بخشی ہیں انھیں بے تکلف کھاؤ اور خدا کا شکرادا کرو۔''

ان آیات میں اللہ کے لیے اس عبادت کو مخصوص کرنے کا حکم دیا گیا ہے جو بندگی و غلامی اور اطاعت و فرماں برداری کے معنی میں ہے۔ اور اس کے لیے صاف قرینہ موجود ہے کہ طاغوت اور شیطان اور احبار و رہبان اور آباؤ اجداد کی اطاعت و بندگی سے پرہیز کر کے اللہ کی اطاعت و بندگی اختیار کرنے کی ہدایت کی جارہی ہے۔

قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَمَّا جَآءَنِيَ الْبَيِّنٰتُ مِنْ رَّبِّيْ ۡ وَاُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (المومن:۶۶)

''کہو، مجھے اس سے منع کیا گیا ہے کہ میں اپنے رب کو چھوڑ کر ان کی عبادت کروں جنھیں تم اللہ کے بجائے پکارتے ہو، جب کہ میرے رب کی طرف سے میرے پاس بیّنات بھی آچکی ہیں۔ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ربّ العلمین

کے آگے سرِ تسلیم خم کروں۔''

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِيٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ○ (المومن:٦٠)

''اور تمھارے رب نے فرمایا ہے کہ مجھے پکارو، مَیں تمھاری پکار کا جواب دوں گا۔ اور جو لوگ میری عبادت سے سرتابی کرتے ہیں وہ یقیناً جہنم میں جھونکے جائیں گے۔''

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ○ اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ۔ (فاطر:١٣۔١٤)

''وہی اللہ تمھارا رب ہے، بادشاہی اسی کی ہے، اس کے سوا تم جن کو پکارتے ہو ان کے اختیار میں ذرّہ برابر کچھ نہیں۔ تم انھیں پکارو تو وہ تمھاری پکار سن نہیں سن سکتے اور سن بھی لیں تو جواب نہیں دے سکتے۔ اور قیامت کے روز وہ تمھارے اس شرک کا انکار کریں گے۔''

قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ○ (المائدہ:٧٦)

''کہو، کیا تم اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کرتے ہو جو نہ تمھیں نقصان پہنچانے کی طاقت رکھتے ہیں، نہ نفع پہنچانے کی، سب کچھ سننے اور جاننے والا تو اللہ ہی ہے''

ان آیات میں اس عبادت کو اللہ کے لیے مختص کرنے کی ہدایت کی گئی ہے جو پرستش کے معنی میں ہے۔ اور اس کے لیے بھی صاف قرینہ موجود ہے کہ عبادت کو دعا کے مترادف کی حیثیت سے استعمال کیا گیا ہے اور ماقبل و مابعد کی آیات میں ان معبودوں کا ذکر پایا جاتا ہے جنھیں فوق الطبیعی ربوبیت میں اللہ کا شریک قرار دیا جاتا ہے۔

اب کسی صاحبِ بصیرت آدمی کے لیے یہ سمجھ لینا کچھ بھی مشکل نہیں کہ جہاں جہاں قرآن میں اللہ کی عبادت کا ذکر ہے اور آس پاس کوئی ایسا قرینہ موجود نہیں ہے جو لفظِ عبادت کو اس کے

مختلف مفہومات میں سے کسی ایک مفہوم کے لیے خاص کرتا ہو، ایسے تمام مقامات میں عبادت سے مراد، غلامی، اطاعت اور پرستش، تینوں مفہوم ہوں گے۔ مثال کے طور پر حسب ذیل آیات کو دیکھیے:

اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ لا (طٰہٰ:۱۴)

''مَیں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی الٰہ نہیں، لہٰذا میری ہی عبادت کر۔''

ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمْ ۚ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ فَاعْبُدُوْہُ ۚ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ وَّکِیْلٌ ۔ (الانعام:۱۰۲)

''وہی اللہ تمھارا رب ہے۔ اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں، ہر چیز کا خالق، لہٰذا تم اس کی عبادت کرو اور وہ ہر شے کی خبر گیری کا متکفل ہے۔

قُلْ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنْ کُنْتُمْ فِیْ شَکٍّ مِّنْ دِیْنِیْ فَلَآ اَعْبُدُ الَّذِیْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ وَلٰکِنْ اَعْبُدُ اللّٰہَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰکُمْ ۠ وَاُمِرْتُ اَنْ اَکُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ لا (یونس:۱۰۴)

''کہو، کہ اے لوگو! اگر تمھیں ابھی تک معلوم نہیں ہے کہ میرا دین کیا ہے تو تمھیں معلوم ہو جائے کہ اللہ کے سوا جن کی تم عبادت کرتے ہو میں ان کی عبادت نہیں کرتا بلکہ مَیں اس اللہ کی عبادت کرتا ہوں جو تمھاری رُوحیں قبض کرتا ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ مَیں ایمان لانے والوں میں شامل ہو جاؤں''

مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّیْتُمُوْھَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُکُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰہُ بِھَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۭ اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ ۭ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ ۭ ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ ۔ (یوسف:۴۰)

''اللہ کے سوا جن کی تم عبادت کرتے ہو ان کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں کہ چند نام ہیں جو تم نے اور تمھارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں۔ اللہ نے ان کے لیے کوئی دلیلِ معبودیّت نازل نہیں کی ہے۔ اقتدار صرف اللہ کے لیے خاص ہے۔ اس نے حکم دیا ہے کہ خود اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کی جائے یہی سیدھا طریقہ ہے۔''

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ۔ (ہود:۱۲۳)

''آسمانوں اورزمین کی جس قدر حقیقتیں بندوں سے پوشیدہ ہیں ان کا علم اللہ ہی کو ہے اور سارے معاملات اسی کی سرکار میں پیش ہوتے ہیں۔لہٰذا تو اسی کی عبادت کر اور اسی پر بھروسا رکھ۔''

لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا، رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ۔ (مریم:۶۴۔۶۵)

''جو کچھ ہمارے سامنے ہے اور جو کچھ ہم سے پوشیدہ ہے اور جو کچھ ان دونوں حالتوں کے درمیان ہے، سب کا مالک وہی ہے، اور تیرا رب بھولنے والا نہیں ہے۔ وہ مالک ہے آسمان اور زمین کا اور ان ساری چیزوں کا جو زمین و آسمان کے درمیان ہیں لہٰذا تو اسی کی عبادت کر اور اسی کی عبادت پر ثابت قدم رہ۔''

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا۔ (الکہف:۱۱۰)

''پس جو اپنے رب کی ملاقات کا امیدوار ہو وہ نیک عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کی عبادت شریک نہ کرے۔''

کوئی وجہ نہیں کہ ان آیات اور ایسی ہی دوسری تمام آیات میں عبادت کے لفظ کو محض پرستش یا محض بندگی واطاعت کے لیے مخصوص ٹھہرالیا جائے۔اس طرح کی آیات میں دراصل قرآن اپنی دعوت پیش کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ قرآن کی دعوت یہی ہے کہ بندگی، اطاعت، پرستش جو کچھ بھی ہو اللہ کی ہو۔لہٰذا ان مقامات پر عبادت کے معنی کو کسی ایک مفہوم میں محدود کرنا حقیقت میں قرآن کی دعوت کو محدود کرنا ہے اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ جو لوگ قرآن کی دعوت کا ایک محدود تصور لے کر ایمان لائیں گے وہ اس کی ناقص و نا تمام پیروی کریں گے۔

.....☆☆☆.....

۴

دین

لغوی تحقیق

کلامِ عرب میں لفظ دین مختلف معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

(ا) غلبہ واقتدار، حکم رانی وفرماں روائی، دُوسرے کو اطاعت پر مجبور کرنا، اس پر اپنی قوتِ قاہرہ (Sovereignty) استعمال کرنا، اسے اپنا غلام اور تابع امر بنانا۔ مثلاً کہتے ہیں دَانَ النَّاسَ، اَیْ قَھَرَھُمْ عَلَی الطَّاعَةِ (یعنی لوگوں کو اطاعت پر مجبور کیا) دِنْتُھُمْ فَدَانُوْا اَیْ قَھَرْتُھُمْ فَاَطَاعُوْا (یعنی میں نے انھیں مغلوب کیا اور وہ مطیع ہو گئے) دِنْتُ الْقَوْمَ اَیْ ذَلَّلْتُھُمْ وَاسْتَعْبَدْتُّھُمْ (میں نے فلاں گروہ کو مسخر کر لیا اور غلام بنالیا) دَان الرّجل اذا عزّ (فلاں شخص عزت اور طاقت والا ہو گیا) دنت الرجل حملتہٗ علی مایکرہ۔ (میں نے اس کو ایسے کام پر مجبور کیا جس کے لیے وہ راضی نہ تھا)۔ دِیْنَ فُلَانٌ۔اِذَا حَمَلَ عَلٰی مَکْرُوْہٍ (فلاں شخص اس کام کے لیے بزور مجبور کیا گیا)۔ دِنْتُہٗ ای سُسْتُہٗ وَمَلَکْتُہٗ (یعنی میں نے اس پر حکم چلایا اور فرماں روائی کی) دَیَّنْتُہٗ الْقَوْمَ وَلَّیْتُہٗ سِیَاسَتَھُمْ (یعنی میں نے لوگوں کی سیاست وحکم رانی فلاں شخص کے سپرد کر دی) اسی معنی میں حطیہ اپنی ماں کو خطاب کر کے کہتا ہے:

لَقَدْ دُیِّنْتِ اَمْرَ بَنِیْكِ حَتّٰی تَرَکْتِھِمْ اَدَقَّ مِنَ الطَّحِیْنِ

”تو اپنے بچوں کے معاملات کی نگراں بنائی گئی تھی۔ آخر کار تو نے انھیں آٹے سے بھی زیادہ باریک کر کے چھوڑا۔)

حدیث میں آتا ہے اَلْکَیِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَہٗ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَالْمَوْتِ یعنی عقل مند وہ ہے جس نے اپنے نفس کو مغلوب کر لیا اور وہ کام کیا جو راس کی آخرت کے لیے نافع ہو۔ اسی معنی کے

لحاظ سے دیّان اسے کہتے ہیں جو کسی ملک یا قوم یا قبیلے پر غالب وقاہر ہو اور اس پر فرماں روائی کرے۔ چنانچہ اعشی الحرمازی نبی اکو خطاب کر کے کہتا ہے: یاسیّد النّاس ودیّان العرب اور اسی لحاظ سے مدین کے معنی غلام اور مدینہ کے معنی لونڈی، اور ابن مدینہ کے معنی لونڈی زادہ کے آتے ہیں۔ اخطل کہتا ہے: ربت وربانی حجرھا ابن مدینۃ۔ اور قرآن کہتا ہے:

فَلَوْلَآ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ ۝ تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝
(الواقعہ:۸۶۔۸۷)

''یعنی اگر تم کسی کے مملوک، تابع، ماتحت نہیں ہو تو مرنے والے کو موت سے بچا کیوں نہیں لیتے؟ جان کو واپس کیوں نہیں پلٹا لاتے؟''

(۲) اطاعت، بندگی، خدمت، کسی کے لیے مسخر ہو جانا، کسی کے تحتِ امر ہونا، کسی کے غلبہ وقہر سے دب کر اس کے مقابلہ میں ذلت قبول کر لینا۔ چنانچہ کہتے ہیں دِنْتُهُمْ فَدَانُوْا اَیْ قَهَرْتُهُمْ فَاَطَاعُوْا (یعنی میں نے انھیں مغلوب کر لیا اور وہ لوگ مطیع ہو گئے) دِنْتُ الرَّجُلَ، ای خَدَمْتُهُ (یعنی میں نے فلاں شخص کی خدمت کی) حدیث میں آتا ہے کہ حضور نے فرمایا: اُرِيْدُ مِنْ قُرَيْش كَلِمَةً تَدِيْنُ لَهُمْ بِهَا الْعَرَبُ اَیْ تُطِيْعُهُمْ وَتَخْضَعُ لَهُمْ۔ (''میں قریش کو ایک ایسے کلمہ کا پیرو بنانا چاہتا ہوں کہ اگر وہ اسے مان لے تو تمام عرب اس کا بالبع فرمان بن جائے اور اس کے آگے جھک جائے'') اسی معنی کے لحاظ سے اطاعت شعار قوم کو قومِ دیّن کہتے ہیں۔ اور اسی معنی میں دین کا لفظ حدیثِ خوارج میں استعمال کیا گیا، یمرقون من الدین مروق السھم من الرمیۃ[1]۔

(۳) شریعت، قانون، طریقہ، کیش وملت، رسم وعادت، مثلاً کہتے ہیں: مَازَالَ ذٰلِكَ دِيْنِيْ وَدَيْدَنِيْ۔ یعنی یہ ہمیشہ سے میرا طریقہ رہا ہے۔ يُقَالُ دَانَهُ اِذَا اَعْتَادَ خَيْرًا وَشَرًّا۔ یعنی آدمی خواہ بُرے طریقہ کا پابند ہو یا بھلے طریقہ کا، دونوں صورتوں میں اس طریقہ کو جس کا وہ پابند ہے دین کہیں گے۔ حدیث میں ہے كَانَتْ قُرَيْشٌ وَمَنْ دَانَ بِدِيْنِهِمْ۔ ''قریش اور وہ لوگ جو

---

[1] اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ خوارج دین بمعنی ملّت سے نکل جائیں گے۔ کیوں کہ حضرت علیؓ سے جب ان کے متعلق پوچھا گیا اَكُفَّارُهُمْ کیا یہ لوگ کافر ہیں؟ تو آپ نے فرمایا من الکفر فروا، کفر ہی سے تو وہ بھاگے ہیں۔ پھر پوچھا گیا أمنافقون هم، کیا یہ منافق ہیں؟ آپ نے فرمایا منافق تو خدا کو کم یاد کرتے ہیں اور ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ شب وروز اللہ کو یاد کرتے رہتے ہیں۔ اسی پر یہ متعین ہوتا ہے کہ اس حدیث میں دین سے مراد اطاعتِ امام ہے۔ چنانچہ ابن اثیر نے نہایہ میں اس کے یہی معنی بیان کیے ہیں۔ اراد بالدین الطاعۃ ای انھم یخرجون من طاعۃ الامام المفترض الطاعۃ وینسلخون منھا۔ (جلد۲۔صفحہ:۴۱۔۴۲)

اُن کے مسلک کے پیرو تھے۔'' اور حدیث میں ہے اِنَّہٗ عَلَیْہِ السَّلَامُ کَانَ عَلٰی دِیْنِ قَوْمِہٖ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نبوت سے پہلے اپنی قوم کے دین پر تھے۔ یعنی نکاح، طلاق میراث اور دوسرے تمدنی و معاشرتی امور میں انھی قاعدوں اور ضابطوں کے پابند تھے جو اپنی قوم میں رائج تھے۔

(۴) اجرا عمل، بدلہ، مکانات، فیصلہ، محاسبہ، چنانچہ عربی میں مثل ہے کما تدین تدان، یعنی جیسا تو کرے گا ویسا بھرے گا، قرآن میں کفار کا یہ قول نقل فرمایا گیا ہے اَءِنَّا لَمَدِیْنُوْنَ؟ ''کیا مرنے کے بعد ہم سے حساب لیا جانے والا ہے اور ہمیں بدلہ ملنے والا ہے'' عبداللہ ابن عمرؓ کی حدیث میں آتا ہے: لَاتَسُبُّوا السُّلْطٰنَ فَاِنْ کَانَ لَابُدَّ فَقُوْلُوْا اَللّٰھُمَّ دِنْھُمْ کما یدینون۔ ''اپنے حکم رانوں کو گالیاں نہ دو۔ اگر کچھ کہنا ہی ہو تو یوں کہو کہ خدایا جیسا یہ ہمارے ساتھ کر رہے ہیں ویسا ہی تو ان کے ساتھ کر۔'' اسی معنی میں لفظ دیّان بمعنی قاضی و حاکم عدالت آتا ہے۔ چنانچہ کسی بزرگ سے جب حضرت علیؓ کے متعلق دریافت کیا گیا تو انھوں نے کہا: کان دیان ھذہ الامّۃ بعد نبیّھا۔ ''یعنی نبی اکے بعد وہ امت کے سب سے بڑے قاضی تھے۔''

قرآن میں لفظِ ''دین'' کا استعمال

ان تفصیلات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ لفظِ دین کی بنیاد میں چار تصورات ہیں، یا بالفاظِ دیگر یہ لفظ عربی ذہن میں چار بنیادی تصورات کی ترجمانی کرتا ہے۔

۱۔ غلبہ و تسلط، کسی ذی اقتدار کی طرف سے۔

۲۔ اِطاعت، تعبد اور بندگی صاحبِ اقتدار کے آگے جھک جانے والے کی طرف سے۔

۳۔ قاعدہ و ضابطہ اور طریقہ جس کی پابندی کی جائے۔

۴۔ محاسبہ اور فیصلہ اور جزا و سزا۔

انھی تصورات میں سے کبھی ایک کے لیے اور کبھی دوسرے کے لیے اہلِ عرب مختلف طور پر اس لفظ کو استعمال کرتے تھے، مگر چوں کہ ان چاروں اُمور کے متعلق عرب کے تصورات پوری طرح صاف نہ تھے اور کچھ بہت زیادہ بلند بھی نہ تھے اس لیے اس لفظ کے استعمال میں ابہام پایا جاتا تھا۔ اور یہ کسی باقاعدہ نظامِ فکر کا اصطلاحی لفظ نہ بن سکا۔ قرآن آیا تو اس نے اس لفظ کو اپنے منشا کے لیے مناسب پا کر بالکل واضح و متعین مفہومات کے لیے استعمال کیا اور اسے اپنی مخصوص اصطلاح بنالیا۔ قرآنی زبان

میں لفظ دین ایک پورے نظام کی نمایندگی کرتا ہے جس کی ترکیب چار اجزا سے ہوتی ہے۔

۱۔ حاکمیت واقتدارِ اعلیٰ۔

۲۔ حاکمیت کے مقابلہ میں تسلیم واطاعت۔

۳۔ وہ نظامِ فکر وعمل جو اس حاکمیت کے زیر اثر بنے۔

۴۔ مکافات جو اقتدارِ اعلیٰ کی طرف سے اس نظام کی وفاداری واطاعت کے صلے میں یا سرکشی وبغاوت کی پاداش میں دی جائے۔

قرآن کبھی لفظِ دین کا اطلاق معنیٰ اوّل ودوم پر کرتا ہے، کبھی معنیٰ سوم پر، کبھی معنیٰ چہارم پر اور کہیں الدین بول کر یہ پورا نظام اپنے چاروں اجزا سمیت مراد لیتا ہے۔ اس کی وضاحت کے لیے حسبِ ذیل آیاتِ قرآنی ملاحظہ ہوں۔

دین بمعنی اوّل ودُوُم

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ۔ هُوَالْحَیُّ لَآاِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَo (المومن:۶۴:۶۵)

''وہ اللہ جس نے تمھارے لیے زمین کو جائے قرار بنایا اور اُوپر آسمان کا گنبد بنایا، جس نے تمھاری صورتیں بنائیں، جس نے پاکیزہ چیزوں سے تمھیں رزق بہم پہنچایا، وہی اللہ تمھارا رب ہے اور بڑی برکتوں والا ہے وہ رب العٰلمین ہے۔ وہی زندہ ہے۔ اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ لہٰذا تم اسی کو پکارو دین کو اسی کے لیے خالص کر کے۔ تعریف اللہ رب العٰلمین کے لیے ہے۔''

قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّیْنَo لا وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِیْنَ ..... قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهُ دِیْنِیْo لا فَاعْبُدُوْا مَاشِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ ..... وَالَّذِیْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ یَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْٓا اِلَى اللّٰهِ

لَهُمُ الْبُشْرٰى ۔ (الزمر:۱۱۔۱۷)

''کہو، مجھے حکم دیا گیا ہے کہ دین کو اللہ کے لیے خاص کر کے اسی کی بندگی کروں اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ سب سے پہلے میں خود سرِ اطاعت جھکاؤں..... کہو میں تو دین کو اللہ کے لیے خالص کر کے اسی کی بندگی کروں گا۔ تمھیں اختیار ہے اس کے سوا جس کی چاہو بندگی اختیار کرتے پھرو..... اور جو لوگ طاغوت کی بندگی کرنے سے پرہیز کریں اور اللہ کی ہی طرف رجوع کریں۔ ان کے لیے خوش خبری ہے۔''

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۝ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ط (الزمر:۲۔۳)

''ہم نے تمھاری طرف کتاب برحق نازل کر دی ہے لہٰذا تم دین کو اللہ کے لیے خالص کر کے صرف اسی کی بندگی کرو۔ خبردار! دین خالصۃً اللہ ہی کے لیے ہے''

وَلَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا ط اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ۝ (النحل:۵۲)

''زمین اور آسمانوں میں جو کچھ ہے اللہ کے لیے ہے اور دین خالصًا اسی کے لیے ہے۔ پھر کیا اللہ کے سوا تم کسی اور سے تقویٰ کرو گے؟ (یعنی کیا اللہ کے سوا کوئی اور ہے جس کے حکم کی خلاف ورزی سے تم بچو گے اور جس کی ناراضی سے تم ڈرو گے؟)

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ۝ (آلِ عمران:۸۳)

''کیا یہ لوگ اللہ کے سوا کسی اور کا دین چاہتے ہیں؟ حالانکہ آسمان و زمین کی ساری چیزیں چار و ناچار اللہ ہی کی مطیع فرماں ہیں اور اُسی کی طرف انھیں پلٹ کر جانا ہے۔''

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ (البیّنہ:۵)

''اور انھیں اس کے سوا کوئی اور حکم نہیں دیا گیا تھا کہ یک سو ہو کر دین کو اللہ کے لیے خالص کرتے ہوئے صرف اسی کی بندگی کریں۔''

ان تمام آیات میں دین کا لفظ اقتدارِ اعلیٰ اور اُس اقتدار کو تسلیم کر کے اُس کی اطاعت و بندگی قبول کرنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اللہ کے لیے دین کو خالص کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی حاکمیت، فرماں روائی، حکم رانی اللہ کے سوا کسی کی تسلیم نہ کرے، اور اپنی اطاعت و بندگی کو اللہ کے لیے اس طرح خالص کر دے کہ کسی دوسرے کی مستقل بالذّات بندگی و اطاعت اللہ کی اطاعت کے ساتھ شریک نہ کرے[1]۔

دین بمعنی سوم

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ فَلَآ اَعْبُدُ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ ۖ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۚ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔ (یونس:۱۰۴۔۱۰۵)

''کہو کہ اے لوگو! اگر تمھیں میرے دین کے بارے میں کچھ شک ہے (یعنی اگر تمھیں صاف معلوم نہیں ہے کہ میرا دین کیا ہے) تو لو سنو! میں ان کی بندگی و عبادت نہیں کرتا جن کی بندگی و اطاعت تم اللہ کو چھوڑ کر کر رہے ہو، بلکہ میں اس کی بندگی کرتا ہوں جو تمھاری روحیں قبض کرتا ہے۔ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ مَیں ان لوگوں میں شامل ہو جاؤں جو اسی اللہ کے ماننے والے ہیں، اور یہ ہدایت فرمائی گئی ہے کہ تو یک سو ہو کر اسی دین پر اپنے آپ کو قائم کر دے اور

---

[1] یعنی اللہ کے سوا جس کی اطاعت بھی ہو اللہ کی اطاعت کے تحت اور اُس کے مقرر کردہ حدود کے اندر ہو۔ بیٹے کا باپ کی اطاعت کرنا، بیوی کا شوہر کی اطاعت کرنا، غلام یا نوکر کا آقا کی اطاعت کرنا اور اسی نوع کی دوسری تمام اطاعتیں اگر اللہ کے حکم کی بنا پر ہوں اور ان حدود کے اندر ہوں جو اللہ نے مقرر کر دی ہیں تو یہ عین اطاعتِ الٰہی ہیں۔ اور اگر وہ اس سے آزاد ہوں، یا بالفاظِ دیگر بجائے خود مستقل اطاعتیں ہوں، تو یہی عین بغاوت ہیں۔ حکومت اگر اللہ کے قانون پر مبنی ہے اور اس کا حکم جاری کرتی ہے تو اس کی اطاعت فرض ہے اور اگر ایسی نہیں ہے تو اس کی اطاعت جرم۔

شرک کرنے والوں میں شامل نہ ہو۔"

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ۔ (یوسف:۴۰)

"حکم رانی اللہ کے سوا کسی کے لیے نہیں ہے اس کا فرمان ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو یہی ٹھیک ٹھیک صحیح دین ہے۔"

وَلَهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ..... ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَآءَ فِىْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ..... بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ..... فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ط فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِىْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ط لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ط ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ (الروم:۲۶۔۳۰)

"زمین اور آسمانوں میں جو کچھ ہے سب اُسی کے مطیع فرمان ہیں..... وہ تمھیں سمجھانے کے لیے خود تمھارے اپنے معاملہ سے ایک مثال پیش کرتا ہے۔ بتاؤ یہ غلام تمھارے مملوک ہیں؟ کیا ان میں سے کوئی ان چیزوں میں جو ہم نے تمھیں دی ہیں تمھارا شریک ہے؟ کیا تم انھیں اس مال کی ملکیت میں اپنے برابر حصہ دار بناتے ہو۔ کیا تم ان سے اپنے ہم چشموں کی طرح ڈرتے ہو؟..... سچی بات یہ ہے کہ یہ ظالم لوگ علم کے بغیر محض اپنے تخیّلات کے پیچھے چلے جا رہے ہیں..... پس تم یک سو ہو کر اپنے آپ کو اس دین پر قائم کر دو۔ اللہ نے جس فطرت پر انسانوں کو پیدا کیا ہے اسی کو اختیار کر لو۔ اللہ کی بنائی ہوئی ساخت کو بدلا نہ جائے[1]۔ یہی ٹھیک ٹھیک صحیح دین ہے۔ مگر اکثر لوگ نادانی میں پڑے ہوئے ہیں۔"

---

[1] یعنی اللہ نے جس ساخت پر انسان کو پیدا کیا ہے وہ تو یہی ہے کہ انسان کی تخلیق میں، اس کی رزق رسانی میں، اس کی ربوبیت میں خود اللہ کے سوا کوئی دوسرا شریک نہیں ہے نہ اللہ کے سوا کوئی اس کا خدا ہے نہ مالک اور نہ مطاعِ حقیقی۔ پس خالص فطری طریقہ یہ ہے کہ آدمی بس اللہ کا بندہ ہو اور کسی کا بندہ نہ ہو۔

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ص وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ۔ (النور:۲)

''زانیہ عورت اور زانی مرد دونوں کو سو سو کوڑے مارو اور اللہ کے دین کے معاملہ میں تمھیں ان پر رحم نہ آئے۔''

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ، ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ لا (التوبہ:۳۶)

''اللہ کے نوشتے میں تو اس وقت سے مہینوں کی تعداد ۱۲ ہی چلی آتی ہے۔ جب سے اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے۔ ان بارہ مہینوں میں سے ۴ مہینے حرام ہیں۔ یہی ٹھیک ٹھیک صحیح دین ہے۔''

كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ط مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ۔ (یوسف:۷۶)

''اس طرح ہم نے یوسف کے لیے تدبیر نکالی۔ اس کے لیے جائز نہ تھا کہ اس بادشاہ کے دین میں اپنے بھائی کو پکڑتا۔''

وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ۔ (الانعام:۱۳۷)

''اور اس طرح بہت سے مشرکین کے لیے ان کے ٹھہرائے ہوئے شریکوں[1] نے اپنی اولاد کے قتل کو ایک خوش آیند فعل بنا دیا تا کہ انھیں ہلاکت میں ڈالیں اور ان کے لیے ان کے دین کو مشتبہ بنائیں[2]''

اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْ بِهِ اللّٰهُ۔ (الشوریٰ:۲۱)

''کیا انھوں نے کچھ شریک ٹھہرا رکھے ہیں جو ان کے لیے دین کی قسم سے ایسے قوانین بناتے ہیں جن کا اللہ نے اذن نہیں دیا ہے؟''

---

[1] شریک سے مراد ہے خداوندی وفرماں روائی میں اور قانون بنانے میں خدا کا شریک ہونا۔

[2] دین کو مشتبہ بنانے سے مطلب یہ ہے کہ جھوٹے شریعت ساز اس گناہ کو ایسا خوش نُما بنا کر پیش کرتے ہیں جس سے عرب کے لوگ اس شُبہ میں پڑ گئے ہیں کہ شاید یہ فعل بھی اس دین کا ایک جزء ہے جو انھیں ابتداءً حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام سے ملا تھا۔

لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ۔ (الکٰفرون)

''تمھارے لیے تمھارا دین اور میرے لیے میرا دین۔''

ان سب آیات میں دین سے مراد قانون، ضابطہ، شریعت، طریقہ اور وہ نظامِ فکر و عمل ہے جس کی پابندی میں انسان زندگی بسر کرتا ہے۔ اگر وہ اقتدار جس کی سند پر کسی ضابطہ و نظام کی پابندی کی جاتی ہے۔ خدا کا اقتدار ہے تو آدمی دینِ خدا میں ہے۔ اگر وہ کسی بادشاہ کا اقتدار ہے تو آدمی دینِ بادشاہ میں ہے۔ اگر وہ پنڈتوں اور پروہتوں کا اقتدار ہے تو آدمی ان کے دین میں ہے۔ اور اگر وہ خاندان، برادری، یا جمہورِ قوم کا اقتدار ہے تو آدمی ان کے دین میں ہے۔ غرض جس کی سند کو آخری سند اور جس کے فیصلے کو منتہائے کلام مان کر آدمی کسی طریقے پر چلتا ہے اسی کے دین کا وہ پیرو ہے۔''

دین بمعنی چہارم:

اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ ۝ وَّاِنَّ الدِّيْنَ لَوَاقِعٌ ۝ (الذّٰریٰت:۶)

''وہ خبر جس سے تمھیں آگاہ کیا جاتا ہے۔ (یعنی زندگی بعد موت) یقیناً سچی ہے اور دین یقیناً ہونے والا ہے۔''

اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ۝ فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ۝ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝ (الماعون:۱۔۳)

''تم نے دیکھا اُس شخص کو جو دین کو جھٹلاتا ہے؟ وہی ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کو کھانا کھلانے پر نہیں اکساتا۔''

وَمَآ اَدْرٰكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ۝ ثُمَّ مَآ اَدْرٰكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ۝ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا ۭ وَالْاَمْرُ يَوْمَىِٕذٍ لِّلّٰهِ ۝ (الانفطار:۱۷۔۱۹)

''تمھیں کیا خبر کہ یوم الدین کیا ہے۔ ہاں تم کیا جانو کیا ہے یوم الدین۔ وہ دن ہے کہ جب کسی متنفس کے اختیار میں کچھ نہ ہوگا کہ دوسرے کے کام آسکے، اس روز سب اختیار اللہ کے ہاتھ میں ہوگا۔''

ان آیات میں دین بمعنی محاسبہ و فیصلہ و جزائے اعمال استعمال ہوا ہے۔

دین ایک جامع اصطلاح

یہاں تک تو قرآن اس لفظ کو قریب قریب انھی مفہومات میں استعمال کرتا ہے جن میں یہ اہلِ عرب کی بول چال میں مستعمل تھا۔ لیکن اس کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ وہ لفظ دین کو ایک جامع اصطلاح کی حیثیت سے استعمال کرتا اور اس سے ایک ایسا نظامِ زندگی مراد لیتا ہے جس میں انسان کسی کا اقتدارِ اعلیٰ تسلیم کر کے اس کی اطاعت و فرماں برداری قبول کر لے، اس کے حدود و ضوابط اور قوانین کے تحت زندگی بسر کرے، اس کی فرماں برداری پر عزت، ترقی اور انعام کا امیدوار ہو اور اس کی نافرمانی پر ذلت و خواری اور سزا سے ڈرے۔ غالباً دنیا کی کسی زبان میں کوئی اصطلاح ایسی جامع نہیں ہے جو اس پورے نظام پر حاوی ہو۔ موجودہ زمانہ کا لفظ ''اسٹیٹ'' کسی حد تک اس کے قریب پہنچ گیا ہے۔ لیکن ابھی اسے ''دین'' کے پورے معنوی حدود پر حاوی ہونے کے لیے مزید وسعت درکار ہے۔

حسبِ ذیل آیات میں ''دین'' اسی اصطلاح کی حیثیت سے استعمال ہوا ہے۔

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ۔ (توبہ:۲۹)

''اہلِ کتاب میں سے جو لوگ نہ اللہ کو مانتے ہیں (یعنی اسے واحد مقتدرِ اعلیٰ تسلیم نہیں کرتے) نہ یوم آخرت (یعنی یومُ الحساب اور یوم الجزاء) کو مانتے ہیں نہ ان چیزوں کو حرام مانتے ہیں جنھیں اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے، اور دینِ حق کو اپنا دین نہیں بناتے ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ وہ ہاتھ سے جزیہ ادا کریں اور چھوٹے بن کر رہیں۔''

اس آیت میں ''دینِ حق'' اصطلاحی لفظ ہے جس کے مفہوم کی تشریح واضع اصطلاح جل شانہٗ نے پہلے تین فقروں میں خود کر دی ہے۔ ہم نے ترجمہ میں نمبر لگا کر واضح کر دیا ہے کہ لفظِ دین کے چاروں مفہوم ان فقروں میں بیان کیے گئے ہیں اور پھر ان کے مجموعے کو ''دینِ حق'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّبَدِّلَ

دِیْنَکُمْ اَوْاَنْ یُّظْهِرَ فِی الْاَرْضِ الْفَسَادَ○ (المومن:۲۶)

''فرعون نے کہا چھوڑو مجھے، مَیں اس موسیٰ کو قتل ہی کیے دیتا ہوں اور اب پکارے وہ اپنے رب کو مجھے خوف ہے کہ کہیں یہ تمھارا دین نہ دبدل دے، یا ملک میں فساد نہ کھڑا کردے۔''

قرآن میں قصۂ فرعون وموسیٰ کی جتنی تفصیلات آئی ہیں، انھیں نظر میں رکھنے کے بعد اس امر میں کوئی شبہ نہیں رہتا کہ یہاں دین مجرد ''مذہب'' کے معنی میں نہیں آیا ہے بلکہ ریاست اور نظامِ تمدّن کے معنی میں آیا ہے۔ فرعون کا کہنا یہ تھا کہ اگر موسیٰ اپنے مشن میں کام یاب ہوگئے تو اسٹیٹ بدل جائے گا۔ جو نظامِ زندگی اس وقت فراعنہ کی حاکمیت اور رائج الوقت قوانین ورسوم کی بنیادوں پر چل رہا ہے وہ جڑ سے اکھڑ جائے گا اور اس کی جگہ یا تو دوسرا نظام بالکل دوسری ہی بنیادوں پر قائم ہوگا، یا نہیں تو سرے سے کوئی نظام قائم ہی نہ ہوسکے گا بلکہ تمام ملک میں بد نظمی پھیل جائے گی۔

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَاللّٰهِ الْاِسْلَامُ۔ (آلِ عمران:۱۹)

''اللہ کے نزدیک دین تو دراصل ''اسلام'' ہے۔''

وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ ج (آلِ عمران:۸۵)

''اور جو ''اِسلام'' کے سوا کوئی اور دین تلاش کرے گا۔ اس سے وہ دین ہرگز قبول نہ کیا جائے گا۔''

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ لا وَلَوْ کَرِهَ الْمُشْرِکُوْنَ ۔ (التوبہ:۳۳)

''وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسولوں کو صحیح راہ نُمائی اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ وہ اس کو پوری جنسِ دین پر غالب کردے اگرچہ شرک کرنے والوں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔''

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰی لَاتَکُوْنَ فِتْنَةٌ وَّیَکُوْنَ الدِّیْنُ کُلُّهٗ لِلّٰهِ (الانفال:۳۹)

''اور تم ان سے لڑے جاؤ یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین بالکلیہ اللہ

ہی کا ہو جائے۔“

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝ (النصر ۱:۳)

”جب اللہ کی مدد آ گئی اور فتح نصیب ہو چکی اور تم نے دیکھ لیا کہ لوگ فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں تو اب اپنے رب کی حمد وثنا اور اس سے درگزر کی درخواست کرو، وہ بڑا معاف کرنے والا ہے۔“

ان سب آیات میں دین سے پورا نظامِ زندگی اپنے تمام اعتقادی، نظری، اخلاقی، اور عملی پہلوؤں سمیت مراد ہے۔

پہلی دو آیتوں میں ارشاد ہوا ہے کہ اللہ کے نزدیک انسان کے لیے صحیح نظامِ زندگی صرف وہ ہے جو خود اللہ ہی کی اطاعت و بندگی (اسلام) پر مبنی ہو۔ اس کے سوا کوئی دوسرا نظام، جس کی بنیاد کسی دوسرے مفروضہ اقتدار کی اطاعت پر ہو، مالکِ کائنات کیۃ ہاں ہرگز مقبول نہیں ہے، اور فطرتاً نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ انسان جس کا مخلوق، مملوک اور پروردہ ہے، اور جس کے ملک میں رعیت کی حیثیت سے رہتا ہے، وہ تو کبھی یہ نہیں مان سکتا کہ انسان خود اس کے سوا کسی دوسرے اقتدار کی بندگی و اطاعت میں زندگی گزارنے اور کسی دوسرے کی ہدایات میں چلنے کا حق رکھتا ہے۔

تیسری آیت میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ نے اپنے رسول کو اسی صحیح و برحق نظامِ زندگی یعنی اسلام کے ساتھ بھیجا ہے اور اس کے مشن کی غایت یہ ہے کہ اس نظام کو تمام دوسرے نظاموں پر غالب کر کے رہے۔

چوتھی آیت میں دینِ اسلام کے پیروؤں کو حکم دیا گیا ہے کہ دنیا سے لڑو اور اس وقت تک دم نہ لو جب تک فتنہ، یعنی اُن نظامات کا وجود دنیا سے مٹ نہ جائے جن کی بنیاد خدا سے بغاوت پر قائم ہے۔ اور پورا نظامِ اطاعت و بندگی اللہ کے لیے خالص نہ ہو جائے۔

پانچویں آیت میں نبی ﷺ سے اس موقع پر خطاب کیا گیا ہے جب کہ ۲۳ سال کی مسلسل جدوجہد سے عرب میں انقلاب کی تکمیل ہو چکی تھی، اسلام اپنی پوری تفصیلی صورت میں ایک اعتقادی و فکری، اخلاقی و تعلیمی، تمدنی و معاشرتی اور معاشی و سیاسی نظام کی حیثیت سے عملاً قائم ہو گیا تھا اور عرب کے مختلف گوشوں سے وفد پر وفد آ کر اس نظام کے دائرے میں داخل ہونے لگے

تھے۔اس طرح جب وہ کام تکمیل کو پہنچ گیا جس پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مامور کیا گیا تھا تو آپؐ سے ارشاد ہوتا ہے کہ اس کارنامے کو اپنا کارنامہ سمجھ کر فخر نہ کرنے لگنا، نقص سے پاک بے عیب ذات اور کامل ذات صرف تمھارے ربّ ہی کی ہے، لہٰذا اس کارِ عظیم کی انجام دہی پر اس کی تسبیح اور حمد وثنا کرو اور اس ذات سے درخواست کرو کہ مالک! اس ۲۳ سال کے زمانہ میں خدمت اپنے فرائض ادا کرنے میں جو خامیاں اور کوتاہیاں مجھ سے سرزد ہوگئی ہوں انھیں معاف فرمادے۔

.....☆☆☆.....

عالمِ اسلام کے مَعروف مُصنفین کی چار مقبول ترین کتابیں

خُطبات
سیّد ابو الاعلیٰ مودودیؒ

اسلام اور ایمان کی جامع تعریف اور عبادات کی منفرد تشریح
ایسی کتاب جس نے لاکھوں زندگیوں کو تبدیل کر دیا

مُحمّدِ عربی ﷺ
محمد عنایت اللہ سبحانی

اسوہ ءرسول ﷺ کا تحریکی انداز میں مطالعہ
سیرت پاک ﷺ کی مقبول ترین کتاب

راہِ عمل
مولانا جلیل احسن ندوی

احادیث رسول ﷺ کی روشنی میں راہنمائی کا انمول خزینہ
مختصر مگر جامع تشریح

آدابِ زندگی
مولانا محمد یوسف اصلاحی

بندگانِ خدا کے دلوں میں اسلام کا جذبہ شوق
وعقیدت بیدار کرنے کے لیے قرآن اور حدیث
کی روشنی میں کامیاب زندگی کے سنہری اصول
ہر طبقہ فکر میں یکساں مقبول

★ چاروں کتابیں یکساں سائز، خوبصورت ٹائٹل، امپورٹڈ کاغذ، معیاری طباعت اور مضبوط جلد بندی کے ساتھ
★ عید، شادی اور دیگر خوشی کے مواقع پر خوبصورت تحفہ

ISBN: 978-969-423-059-7

اسلامک پبلی کیشنز (پرائیوٹ) لمیٹڈ
منصورہ ملتان روڈ، لاہور پاکستان 042-35417074,1

U00379